قمر وامق

خیالستان

ظفر علی خان

مکتبہ کارواں کچہری روڈ۔ لاہور

89
Z1
[n.
02

خیالستان

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
ACC NO. 025193
★ MAILSI ★

قیمت دو روپے

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

مطبع :- کارواں پریس، لاہور،
ناشر :- چودھری عبدالحمید ایم اے

خیالستان

ظفر علی خاںؔ

مکتبۂ کارواں، کچہری روڈ، لاہور

ترتیب

خدا کی حمد، پیغمبر کی نعت، اسلام کی عظمت
مرے مضموں ہیں جب سے شعر کہنے کا شعور آیا

ظفر علی خاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خمستانِ ازل کا ساقی

پہنچتا ہے ہر اک میکش کے آگے دورِ جام اُس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطفِ عام اُس کا

گواہی دے رہی ہے اُس کی یکتائی پہ ذات اُس کی
دوئی کے نقش سب جھوٹے، ہے سچّا ایک نام اُس کا

ہر اک ذرّہ فضا کا داستاں اس کی سناتا ہے
ہر اک جھونکا ہوا کا آکے دیتا ہے پیام اُس کا

نظام اپنا لئے پھرتا ہے کیا خورشیدِ نور افشاں
ہزاروں ایسی دنیاؤں کو شامل ہے نظام اُس کا

ہیں اُس کو کعبہ و بت خانہ میں کیوں ڈھونڈنے نکلوں
مرے ٹوٹے ہوئے دل ہی کے اندر ہے مقام اُس کا

سراپا معصیت میں ہوں سراپا مغفرت وہ ہے
خطا کوشی روش میری خطا پوشی ہے کام اُس کا

مری افتادگی بھی میرے حق میں اُس کی رحمت ہے
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اُس کا

وہ خود بھی بے نشاں ہے زخم بھی ہیں بے نشاں اس کے
دیا ہے اُس نے جو چرکا نہیں ہے التیام اُس کا

عبودیت کو بھی کیا کیا مدارج اُس نے بخشے ہیں
جہاں میں بن گئے آتا ہے رسُول اُس کا غلام اُس کا

ہوئی ختم اُس کی حجّت اِس زمیں کے بسنے والوں پر
کہ پہنچایا ہے ان سب تک محمّد نے کلام اُس کا

بجھاتے ہی رہے پھونکوں سے کافر اس کو رہ رہ کر
مگر نُور اپنی ساعت پر رہا ہو کر تمام اس کا

نہ جا اُس کے تحمّل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اُس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اُس کا

آوازۂ حق

(۱)

ہم کو دیا پیغام عرب نے ایک خدا اور ایک رسُولؐ
اب نہیں ایسی کوئی دُعا جو آتے ہی لب پر ہو نہ قبُول

نام ہے ایک اللہ کا سچّا باقی باطل سب معبُود
مختصر اس قصّہ کو سمجھئے ناحق اس کو نہ دیجئے طُول

اُس کے سمجھنے کے لئے دل میں ہونا چاہئے ذوقِ سلیم
اُس کی حقیقت وہ نہیں جس کو جان سکیں افہام و عقول

مجھ کو بتا دو کوئی خدارا قطرہ کجا اور بحر کجا
کب ہے یہ اور کیونکر ہے یہ ممکن بندے میں خدا کا حلول

جس نے ہوالکل اُس کو بتایا اُس سے خدا بیزار رہا
اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنۡکُمۡ اَمۡرُ اللّٰہِ ھُوَ الۡمَفۡعُوۡل

(۲)

مجلس کے آداب ہیں باقی عہدِ کہن کا رنگ نہیں
اب نہ وہ اندازِ ھیَ اَحۡسَن اور نہ وہ طرزِ فعالِ قول
جیسے حکیم ہیں ویسی امت جُف الاَشہف والمشروف
جیسی روح ہے ویسے فرشتے خصی الفاضل والمفضول
فلسفۂ اشراق یہی ہے اور ہے اس کی شرح یہی
آپ ہی خون شرح کریں اور آپ ہی کہلائیں مقتول
میرے تعلم کے توڑنے والے وہ ہیں جنہیں ہے دعویٰ دیں
ساتھ ہی جن کی یہ ہے تمنّا سیفِ مہنّد ہو مسلول
شانِ خدائے عزّ و جل ہے بن گئے وہ بھی جادہ شناس
جن کی روش ہے اوٹ پٹانگ اور جن کی ہوش میں اوّل علبل
خانہ براندازانِ چمن سے ہم فقط اتنا پوچھتے ہیں
باغ میں صاحب ہنسے بھی دینگے آپ کوئی پھل اور کوئی پھول
زاغ و زغن سے آپ کو اُلفت بلبل و قمری سے ہے عناد
سروِ لبِ جو کو ہے شکایت اس کی جگہ لیتا ہے ببول
ایک کبھی ہو ہی نہیں سکتے کورا اور بنیا خلّ و صرور
کرتے ہیں جو قرآں کی تلاوت کیوں گئے وہ اس قول کو بھول

(۳)

ٹھاٹھیں مار رہا ہے سمندر اور ہیں موجیں برقِ بلا
ہونے لگا ہے ساتھ ہی لیکن رحمتِ باری کا بھی نزول
دیر سے ہم ساحل پہ کھڑے تھے اور ہمہ تن تھے چشم براہ
دور سے اِک کشتی نظر آئی اور بلند اُس کا مستول
چھٹ گئے بادل گھٹ گیا طوفاں چھٹ گئی ظلمت کٹ گئی رات
حاملِ زورق احمدِ مرسل ملّتِ بیضا ہے محمول

(۴)

منتظرانِ حق کے لئے پھر کحلِ بصر اسلام بنا
باغِ نبیؐ میں آگئی رونق دیدۂ نرگس ہے مکحول
نورِ امانت پھیل چلا ہے روشن ہو گئے دیر و حرم
اب وہی ہستی بن گئی مسلم کب تک تھی جو ظلوم و جہول
فرش پہ ہے اسلام کا نقشہ عرش پہ ہے اسلام کا رنگ
شش جہت اس میں آگئے سارے دائرہ میں ہے عرض نہ طول
عیب کجا اسلام کہاں اس سیف میں زنگِ ظلام کہاں
عیب ہے مسلم میں تو یہی ہے انّ الصّارم فیہ فلول
یا تو ہو قرآں کی کوئی آیت یا ہو نبیؐ کی کوئی حدیث
بات اِسی صورت میں ہی بنے گی یا معقول ہو یا منقول
صبح کی ساعت آئی ہوئی ہے سجدہ میں گر کر مانگ دعا
رحمت سر پر آئی کھڑی ہے مسلم کیوں ہوتا ہے ملول

بگڑی ہوئی بن جائیگی تیری کام سنور جائیں گے تیرے
مضطرب اتنا کس لئے تو ہے بیٹھ ہی جائیگی چول سے چول

دستِ سعادت کی بھی رسائی دیکھئے ہوتی ہے کہ نہیں
طرّۂ اسلام آج بصیرت کو نظر آتا ہے مفتول

سب سے بڑا انعام یہی ہے خدمتِ دین کی ہو توفیق
کام مسلمانوں کے جو آیا بس وہی مسلم ہے مقبول

اک حکم پر غور کیا کر ہے یہی رازِ فوزِ عظیم
بن گئیں اس نکتہ کو سمجھ کر جنت کی خاتون بتولؓ

کام رکھ اپنے کام سے مسلم خود اللہ ترا ہے وکیل
مزد سے بالا ہو تری خدمت طاعتِ حق میں رہ مشغول

(۵)

مجھ کو رسولؐ اللہ کی اُلفت لطفِ خدا سے مل ہی گئی
اے دلِ ناداں اس سے زیادہ تجھ کو ہو کس دولت کا حصول

ناشئۃ اللّیل آج سے دیگا میری روح کو نشو و نما
اَقوم قیلا آج سے ہوگا میری اقامت کا معمول

دین بھی ہو جائے مجھے حاصل دنیا کی بھی مراد ملے
گوشۂ چشمِ عنایت مجھ پہ ہو جو پیمبرؐ کا مبذول

آنکھ اٹھا کر بھی نہ میں دیکھوں خیرِ کثیرِ کوثر کو
سرورِ عالم اگر فرما لیں نذرِ محقّر میری قبول

کلام اللہ

اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی جس کی شان میں آیا ہے
رحمتِ عالم ہو کے اِک اُمّی اُس مکتوب کو لایا ہے

منکشف اُس نے کر دیئے سارے علّم الاسما کے وہ رموز
جن کو سمجھ کر خاک کے آگے قدسی نے سر نیوڑھایا ہے

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اُس کی زباں پر آتے ہی
کفر کے برجِ سربفلک پہ پرچمِ دیں لہرایا ہے

اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا کہہ کے دیا ہے حق کو فروغ
پڑھ کے یہ افسوں منہ کے بل اُس نے لات وہبل کو گرایا ہے

بُت کی خدائی لیگئی مکھی ضعف الطّالب و المطلوب
بالِ مگس سے نقشۂ توحید اُس نے عجب کھچوایا ہے

موت سے اُس نے زیست نکالی زیست کو آب و رنگ دیا
قطرہ سے قلزم پتّہ سے گلشن پیدا کر کے دکھایا ہے

دامنِ صحرا پر بھی گماں تھا آنکھ کو دامنِ گلچیں کا
سارے جہاں پر اُس نے جب اپنا ابرِ کرم برسایا ہے

جن کے مقدّر میں تھی غلامی اُس نے انہیں آزاد کیا
نوعِ بشر کی لوحِ جبیں سے اُس نے داغ مٹایا ہے

ابیض و اسود احمر و اصفر عالی و دانی خورد و بزرگ
سب کا بنا کر ایک ہی کنبہ ایک ہی گھر میں بسایا ہے

سطوتِ سیر، حشمتِ خاقاں، صولتِ بہمن، دولتِ جم
ملتی ہے کیونکر اُس نے یہ نکتہ دیدہ وروں کو سمجھایا ہے
خُمِ فلاطوں خشک پڑا ہے ساغرِ جم میں بوند نہیں
تا بہ ابد وہ جام چلے گا اُس نے جسے چھلکایا ہے
کون و مکاں سے آج تک اس کا جلوہ سمیٹا جا نہ سکا
اِک فقط اِنساں ہی کا ہے سینہ جس میں یہ نُور سمایا ہے

عرضِ حال بدرگاہِ ربّ العزّہ

بتوسّط حضورِ خواجۂ دو جہاں صلّی اللہ علیہ وسلم

اے کہ ترا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حسن کی زکواۃ
تیری جبیں سے آشکار پرتوِ ذات کا فروغ
اور ترے رُخ کا غبار سرمۂ چشمِ کائنات
چہرہ کشا کرم ترا ماہ سے تا بہ قیرواں
لطف ترا کرشمہ سنج کعبہ سے تا بہ سومنات
تیرے سلام کے لئے گلشنِ قدس کے طیور
گھوم رہے ہیں ڈال ڈال جھوم رہے ہیں پات پات
دیکھتے ہی ترا جلال کفر کی صف اُلٹ گئی
جھک گئی گردنِ ہبل ٹوٹ گیا طلسمِ لات
آنکھ کے اک اشارہ سے تو نے معاً بدل دیئے
ذہن کے سب تصوّرات قلب کے سب تأثرات
چون و چگونہ و چرا تا بجا و تلکے
حل کئے ایک بات میں تو نے یہ سرمدی نکات
غیر کو خویش کر دیا نیش میں نوش بھر دیا
پل میں درست کر دیئے بگڑے ہوئے تعلقات
کیا ہی وہ انقلاب تھا ڈھل گئے جس میں ایک ساتھ
لندن و پیرس و دمشق، بیکن و دہلی و ہرات
از سرِ نو کیا گیا دودۂ آدم ارجمند
اُٹھ گئی قیدِ خون و رنگ مٹ گیا فرقِ نسل و ذات

شانِ خدائے پاک تھی یثربیوں کی سادگی
جس پہ نثار ہو گئے سب عجمی تکلّفات

تیری ثنا میں تر زباں ہو گیا میری طرح
اُس کے قلم میں آ گئی شانِ روانیٔ فرات

پست و بلند کے لئے عام ہیں تیری رحمتیں
عرش سے اور فرش سے تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ

اے کہ رواں رواں ترا درد میں ہے بسا ہوا
کس کو ترے سوا سنائیں جا کے ہم اپنی مشکلات

سر پہ اندھیری رات ہے گھر گئی ہے بھنور میں ناؤ
موجِ بلا ہے تاک میں دُور ہے ساحلِ نجات

تھام کے پایۂ عرش کا کر بہ ادب یہ التجا
"اے کہ ہے مبدءِ فیوض ایک فقط تری ہی ذات

بندے بھلے ہوں یا بُرے تُو تو ہے اے خدا کریم
قطع ہو کیوں کریم کا سلسلۂ نوازشات

موردِ لطفِ خاص پر کس لئے آج یہ عتاب
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات"

زندانِ فرنگ، گجرات پنجاب
۲ رجب سنہ ۱۹۳۰ء

فریاد بحضورِ سرورِ کونین

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب
صبحِ ازل ہے تیری تجلّی سے فیضیاب

زینت ازل کی ہے تو ہے رونق ابد کی تو
دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب

چوما ہے قدسیوں نے ترے آستانہ کو
تھامی ہے آسماں نے جھک کر تری رکاب

شایاں ہے تجھ کو سرورِ کونین کا لقب
نازاں ہے تجھ پہ رحمتِ دارین کا خطاب

برسا ہے شرق و غرب پہ ابرِ کرم ترا
آدم کی نسل پر ترے احساں ہیں بے حساب

پیدا ہوئی نہ تیری مواخات کی نظیر
لایا نہ کوئی تیری مساوات کا جواب

خیر البشر ہے تُو تو ہے خیر الامم وہ قوم
جس کو ہے تیری ذاتِ گرامی سے انتساب

مغرب کی دستبرد سے مشرق ہؤا تباہ — ایماں کا خانہ کفر کے ہاتھوں ہؤا خراب
صد ہا ترے غلام نصاریٰ کی قید میں — دن زندگی کے کاٹ رہے ہیں بصد عذاب
پھر بھی ہے اُس کو لاج ترے نامِ پاک کی — پروانہ وار جس پہ تصدق ہیں شیخ و شاب
ہے اُن کے ایک ہاتھ میں سیفٌ ید اللّٰہی — اور دُوسرے میں ہے تری لائی ہوئی کتاب
یوں کفر کے ہجوم پہ گرتے ہیں ٹوٹ کر — شیطاں پر آسماں سے گرے جس طرح شہاب
پھرے پہ زخم کھائے مگر منہ نہ پھر سکا — گلگونۂ عذار ہے اندیشۂ عقاب
باور نہ ہو کو آئے تو ہندوستاں میں آ — اور دیکھ لے اُلٹ کے ملیبار کا نقاب
اے قبلۂ دو عالم داے کعبۂ دو کون — تیری دعا ہے حضرت باری میں مستجاب
یثرب کے سبز پردے سے باہر نکال کر — دونوں دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب

حق سے یہ عرض کر کہ ترے نا سزا غلام
عقبیٰ میں سُرخ رُو ہوں تو دُنیا میں کامیاب

صلّو علیہ و آلہٖ

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اِک روز جھلکنے والی تھی سب دُنیا کے درباروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لَوْلَاکَ لَمَا کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیّاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہؤا
وہ راز اِک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملیگی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں سے

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبیؐ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اگست ۱۹۱۱ء

عرش سے فرش تک حضورِ سرورِ کونین پر صلوٰۃ وسلام کی بارش

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

رونقِ بزمِ دودۂ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
خواجۂ گیہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جلوہ شناسِ منزلِ وحدت جلوہ نمائے نورِ حقیقت
ہادیٔ اکبر مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

خیرِ ممثّل فضلِ مجسّم صورتِ احساں پیکرِ رحمت
آیۂ لطفِ ربّک الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہو گئی اس پر ختمِ رسالت دیتے گئے ہیں جسکی شہادت
موسیٰ عمراں عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

خیلِ ملک تھا اس کے جلو میں یعنی فضا کا رخش تھا رو میں
تاکہ جہاں ہو درہم و برہم صلی اللہ علیہ وسلم

کہتے ہیں جس کو سطوتِ کبریٰ تھی وہ اک اس کی شوقِ سراپا
گردنِ ہرقل جس سے ہوئی خم صلی اللہ علیہ وسلم

تیغ و کفن جب باندھ کے نکلے اُسکے قشونِ قاہرہ گھر سے
بچھ گئی یورپ میں صفِ ماتم صلی اللہ علیہ وسلم

ہے عرب اُس کا اور عجم اُس کا تھامے ہوئے ہیں ہم علَم اُس کا
وہ ہے ہمارا اُس کے ہیں سب ہم صلی اللہ علیہ وسلم

وقت پہ دے گا تشنہ لبوں کو ساغرِ کوثر بھی وہی ساقی
جس نے پلایا ہے انہیں زمزم صلی اللہ علیہ وسلم

جیت گئے اسلام کے غازی ہر گئی آخر کفر کی بازی
جھک نہ سکا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

اس کی غلامی نے ہمیں بخشا تاجِ سکندر فرِّ دارا
کر گئی کم مرتبۂ جم صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے جب اونچا پایہ ہے اُسکا اور سر پر سایہ ہے اُس کا
ملّتِ بیضا پھر تجھے کیا غم صلی اللہ علیہ وسلم

عرشِ بریں سے فرشِ زمیں تک فرشِ زمیں سے عرشِ بریں تک
غلغلہ برپا ہے یہی پیہم صلی اللہ علیہ وسلم

۲۸ دسمبر ۱۹۲۹ء

صاحبِ قابَ قوسینِ اَو ادنیٰ

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنّا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اس نورِ اوّلیں کا اُجالا تمہی تو ہو

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمہی تو ہو

جلتے ہیں جبرئیلؑ کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہی تو ہو

جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گذر گیا
وہ رہ نوردِ جادۂ اسریٰ تمہی تو ہو

پیتے ہی جس کے زندگیٔ جاوداں ملی
اس جانفزا زلال کے مینا تمہی تو ہو

اٹھ اٹھ کے لے رہا ہے جو پہلو میں چٹکیاں
وہ درد دل میں کر گئے پیدا تمہی تو ہو

دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہی تو ہو

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدارِ یثرب و بطحا تمہی تو ہو

بپتا سنائیں جا کے تمہارے سوا کسے
ہم بے کسانِ ہند کے ملجا تمہی تو ہو

عشقِ رسُولؐ

پرستارانِ لات و عُزّیٰ مشکیں زید کی کس کر
جب اس اسلام کے شیدا کو مقتل کی طرف لائے

قریش اپنے جلے تن کے پھپھولے پھوڑنے نکلے
گھروں سے رقصِ بسمل کا تماشا دیکھنے آئے

جبینِ زید پر اس وقت وہ رونق برستی تھی
کہ صبحِ اوّلیں کے نور کی بارش بھی شرمائے

یہ اطمینانِ کامل دیکھ کر کفر اور جھلّایا
دلوں کی تیرگی نے بدر کے داغ اور چمکائے

ابوسفیاں پکارا کیا ہی اچھا ہو محمدؐ کو
ترے بدلے اگر جلّاد خاک و خوں میں تڑپائے

تڑپ اُٹھتا ہوں جب مجھ کو وہ فقرے یاد آتے ہیں
بوقتِ ذبح اس عاشق نے جو اس طرح دُہرائے

مجھے ناز اپنی قسمت پر ہو گر نامِ محمدؐ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سراپا اس کو ٹھکرائے

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ اُن کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

رحمۃ للعالمین

وہ اُٹھا خاکِ بطحا سے سعادت کا امیں ہو کر
علمبردارِ حق بن کر سپہ سالارِ دیں ہو کر

عرب کیواسطے رحمت عجم کیواسطے رحمت
وہ آیا لیکن آیا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہو کر

خدا نے اُس کو اپنے حُسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
چھنا ہے اس کا پرتو نورِ صبحِ اولیں ہو کر

خدا پر تھا یقیں پہلے ہی لیکن اُس کا احساں ہے
کہ آنکھوں میں یقیں پھرنے لگا عین الیقیں ہو کر

اسی کا بے حساب احسان ہم پر تھا کہ صدیوں تک
رہا ہندوستان اسلام کے زیرِ نگیں ہو کر

نہ نکلی کوئی بات اُسکی زباں سے تا دمِ آخر
نہ نکلی ہو جو زیبِ نطقِ جبریلِ امیں ہو کر

خدا کی شان سے رونق ہے موجوداتِ عالم کی
وہ سب نبیوں کے بعد آیا مگر کیا کیا نہیں ہو کر

نمک پروردہ اُس کی شرم کے ہیں سب گنہ میرے
وہ شرمائے جو عقبیٰ میں شفیع المذنبیں ہو کر

وامق ہاشمی مدراس
۳۰ اگست ۱۹۳۱ء

خیالستان

اک جہانِ رنگ و بو خود مرا خیال تھا
گوشۂ قفس مجھے عالمِ مثال تھا

رات شاہبازِ فکر لے گیا کہاں کہاں
خود تو میں شکستہ پر اور گسستہ بال تھا

چھپ چکا تھا آفتاب ضو فشاں تھا ماہتاب
کائنات کا مزاج رو بہ اعتدال تھا

کوہ و دشت بام و در غرقِ موجِ نور تھے
بسکہ ماہِ نیم ماہ بن چکا ہلال تھا

چاک تھی قبائے گل بے نقاب تھے نجوم
بے حجاب ہر طرف حسنِ لایزال تھا

دیکھتا تھا میں جدھر سر بسجدہ تھے شجر
ڈال ڈال پات پات ذکرِ ذوالجلال تھا

عرش و فرش مست تھے اپنے اپنے رنگ میں
کیا کہوں مگر کہ کیا میرے دل کا حال تھا

وہ زمانہ پھر گیا یک بیک نگاہ میں
جب ہر ایک حق پرست بوذر و بلال تھا

جب نبیؐ کے نام پر جسم و روح تھے نثار
جب خدا کی راہ میں وقف جان و مال تھا

جامِ جم سے بے نیاز تھی شرابِ خانہ ساز
مے کشوں کا چارہ ساز ساغرِ سفال تھا

باغ میں وہی بہار پھر بھی آئے گی کبھی
حاملانِ عرش سے یہ مرا سوال تھا

ہم زباں نہ تھے مگر میں سمجھ گیا مراد
میری بات کا جواب مصطفےٰ کمال تھا

ہرمزان

وہ تیغ جس کی چمک برقِ طور کی مانند — بنی تھی روشنیٔ دیدۂ جہاں کے لئے
چلائی سعد نے جب قادسیہ میں آکر — تو قدسیوں نے قدم جھک کے تیغِ راں کے لئے
اِس ایک فتح نے ایران کو کیا تسخیر — رہی نہ کوئی کہیں دودۂ کیاں کے لئے
اثر یہ تھا اِسی فتح الفتوح کا کہ زمیں — ہوئی تھی تنگ عجم کے خدائگاں کے لئے
بدل رہا تھا زمانہ کا اور زمین کا رنگ — کہ مشغلہ ہے پُرانا یہ آسماں کے لئے
زوالِ دولتِ پرویز ٹل نہ سکتا تھا — سکوں محال ہے گنبدِ پہ گرداں کے لئے
جھکائی جا رہی تھی یزدجرد کی گردن — مُوَحّدینِ عرب کے عُلوِ شاں کے لئے
مقاومت کے دکھائے عدو نے گر جوہر — یہ فخر وقف تھا بازوئے ہرمزاں کے لئے
گئی عجم کی غنیمت مدینہ کو جس وقت — کہ منتظر تھا وہ اِس گنجِ شائگاں کے لئے
تو ہرمزان کے بارہ میں سعد نے لکھا — بلا یہ ایک ہے اسلامیوں کی جاں کے لئے
جفا نہیں کوئی ایسی روا نہیں جو ہوئی — عجم کے اِس ستم اندوز قہرماں کے لئے
قبا ہے اِس کی مسلماں کے خون سے رنگیں — کفن بنی ہے جو آج اِس کے خانداں کے لئے
ہؤا جلالِ عمر کا یہ فیصلہ اُس پر — سزائے موت ہے اِس دشمنِ اماں کے لئے
یہ ہرمزان پکارا "میں تشنہ ہوں، پہلے — بجھاؤ پیاس مری ربِّ مہرباں کے لئے"
دیا گیا جب اُسے آبخورہ پانی کا — تأمل اُس نے کیا شاید امتحاں کے لئے
تسلی اُس کو خلیفہ نے دی یہ فرما کر — زباں ہے قول کو اور قول ہے زباں کے لئے
نہ تیرے حلق سے جب تک اُترے یہ پانی — حرام خوں ہے ترا خنجرِ رواں کے لئے
جو مہماں ہو عدو بھی تو احترام اُس کا — ہمارے کیش میں لازم ہے میزباں کے لئے

ٹپک کر اُس نے پیالہ کہا کہ خوف سے اب
ملی نجات مجھے عمرِ جاوداں کے لئے

امان مل گئی مجھ کو، ہے فرض عہد کا پاس
حریمِ احمدِ مرسل کے پاسباں کے لئے

مری جبین کے سجدوں میں تھی ازل سے تڑپ
حضورِ خواجۂ گیہاں کے آستاں کے لئے

نہ کر سکا مگر اقرار اِس حقیقت کا
خودی حجاب تھی اقرار باللساں کے لئے

میں خوفِ قتل سے مذہب اگر بدل دیتا
تو لوگ کہتے یہ حیلہ ہے حفظِ جاں کے لئے

مگر خود اپنی خوشی سے میں اب یہ کہتا ہوں
بنا ہے آج سے اسلام ہر زماں کے لئے

بحکمِ اَشھدُ اَن لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ
جگہ بہشت میں نکلی مرے مکاں کے لئے

نغمۂ فارابی

(۱)

بہ رہا ہے دجلہ گلزاروں میں لہراتا ہوا
پھیلتا و بتا سمٹتا پیچ و غم کھاتا ہوا

یاد جس کی موج سے ہے تازہ منصور کی
گردنیں جس نے جھکا دیں قیصر و فغفور کی

نقش ہے ساحل پر اس کے نامِ ہارون الرشید
جس کی ہر شب تھی شبِ قدر اور ہر اِک روز عید

زینتِ بزمِ تمدن رونقِ بغداد ہے
علم و فضل و دانش و حکمت یہاں آباد ہے

بابِ اوّل ہے کتابِ فضلِ المامون کا
وہ جو قصہ ہے ارسطو اور افلاطون کا

برمکی فیاضیاں صرفِ گہر باری ہوئیں
سیم و زر کی ندیاں چاروں طرف جاری ہوئیں

ایسی ایسی فلسفہ نے کیں یہاں گلکاریاں
خاک میں سب مل گئیں یونان کی خودداریاں

مصر و ایراں کے تمدن کا فسانہ رہ گیا
اڑ گئے طائر اجڑ کر آشیانہ رہ گیا

نام وہ چمکا بنی عباس کا آفاق میں
ماند ہے خورشید انور لاجوردی طاق میں

ایشیا میں پڑ رہی ہے ان کے افسانوں کی دھوم
کانپتا یورپ میں اُن کے نام سے ہے "کلبِ روم"

(۲)

آچلا افسوس عبّاسی خلافت میں زوال
اب نہ وہ اگلی سی سطوت ہے نہ پہلا سا جلال

قصرِ دولت کو تنزل کا پیام آنے کو ہے
اس عمارت کا ستوں مرکز سے ہٹ جانے کو ہے

جوشِ تیغِ فرزندانِ عمِّ مصطفےٰ کا سرد ہے
عورتوں کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہر مرد ہے

مملکت کی کس کو خواہش سلطنت کا کس کو ہوش
رات دن ہے صحبتِ شاہد میں شغلِ نا و نوش

علم رخصت ہو چکا تلوار میں زنگ آچلا
آسماں عبّاسیوں کی وضع سے تنگ آچلا

کوئی دم میں یہ بساطِ کہنہ اُلٹے گا فلک
جس میں کچھ کچھ ہے نمایاں دَورِ اوّل کی جھلک

جل چکی رسّی مگر ہے بل ابھی تک برقرار
اب بھی ہیں اس راکھ میں پوشیدہ تھوڑے سے شرار

پاتے ہیں دربار میں بار اب بھی آکر علم و فن
اب بھی اس چرچے سے کچھ خالی نہیں یہ انجمن

ذیل میں جو دل نشیں قصّہ سپردِ خامہ ہے
وہ انہی وقتوں کی یادِ گرمیٔ ہنگامہ ہے

(۳)

طرفِ دریا نصب ہے اِک شامیانہ زرنگار
جھمجھاتی ایک مسند جس سے دیتی ہے بہار

جادہ گر ہیں قلبِ مسند پہ امیر المومنیں
حضرتِ خاقانِ اعظم مامونِ دنیا و دیں

لہ نقفور (نائی سی فورس) قیصرِ روم نے ہارون الرشید کو ایک گستاخانہ خط لکھا تھا۔ ہارون الرشید نے جواب دیا کہ اے رُومی کتّے تو اپنے خط کا جواب سُنے گا نہیں بلکہ دیکھے گا چنانچہ قشونِ قاہرۂ خلافت نے قیصر کے علاقہ میں برق و باد کی طرح پہنچ کر زیجیبا کے میدانوں میں اُسے ایسی سخت شکست دی کہ صفحۂ تاریخ پر یہ واقعہ ہمیں ابھی تک خون و آتش کے حروف میں لکھا ہوا نظر آتا ہے۔

خطبہ دُنیا میں پڑھا جاتا ہے جن کے نام کا
کیونکہ مرکز سمجھے جاتے ہیں یہی اسلام کا

گرچہ اجزائے خلافت ہو چکے ہیں منتشر
ہے اثر اُن کی روایت کا مگر ہر قلب پر

خاص خاص اعیانِ دولت زینتِ دربار ہیں
کچھ عرب کچھ ترک، کچھ تاجیک کچھ تاتار ہیں

حاجب و درباں قرینہ سے کھڑے ہیں سامنے
باندھ رکھی ہیں صفیں آداب کی ندّام نے

جمع ہیں دربار میں کچھ فلسفی اور کچھ فقیہہ
کچھ سخنور بذلہ سنجی کر رہے ہیں فی البدیہہ

فخر کا موجب روایت ہے کسی کے واسطے
ناز کا باعث درایت ہے کسی کے واسطے

فلسفی کہتے ہیں اُن کا عُروۃ الوُثقیٰ ہے عقل
اور فقیہوں کیلئے حبل المتیں مبنی ہے نقل

باتوں باتوں میں غرض رنگ اک نیا لاتی ہے بحث
حلّت و حرمت پہ موسیقی کی چھڑ جاتی ہے بحث

(۴)

ایک کہتا ہے غنا مذہب میں جائز ہی نہیں
نغمہ بدعت ہے مسلماں جس سے فائز ہی نہیں

ایسی محفل ہے خلافِ شرع جس میں راگ ہو
خرمنِ ایماں کے حق میں جس کی ہر تان آگ ہو

دوسرا کہتا ہے موسیقی سے ہے لطفِ حیات
ہے شرابِ نغمہ سے لبریز جامِ کائنات

مسجدوں میں غلغلہ ہے رَتّلِ القرآن کا
شور افسانوں میں ہے داؤد کے الحان کا

تیسرا کہتا ہے گر رکھتے ہو گوشِ حق نیوش
کیوں نہیں سنتے پکارے سب میں کہتا ہے سروش

راگ بھر کر اپنے باجے میں اگر لائی نہ ہو
محفلِ قدرت کی یہ ہنگامہ آرائی نہ ہو

پھول پر بھونرے کی گونج ابر پہ بادل کی گرج
سازِ قدرت کے یہ سُر ہیں ایک پنچم اک کھرج

امتیازِ فعل و قوت کا جو نکلے دل سے چور
گلستانوں سے نہیں کچھ کم نیستانوں میں شور

میٹھے نغموں پر جو غش ہوتا نہ خود ربِّ قدیر
انکر الاصوات کیوں ہوتی بھلا صوتِ الحمیر

(۵)

اِس دل آرا بحث کو سب لوگ سنتے ہیں بغور — دفعتہً دربار کا لیکن بدل جاتا ہے طور
یک بیک آتی ہے جنبش میں ہر صفِ پائیں جہاں — آگے بڑھنا چاہتا ہے ایک نو وارد جواں
صوفیانہ وضع ہے پُر تمکنت انداز ہے — ہاتھ میں اُس کے انوکھی وضع کا اِک ساز ہے
اُس کی آنکھوں میں بھرا ہے جذبہ مقناطیس کا — سن یہی ہوگا کوئی بتیس یا تنتیس کا
ہوتی ہے اُس نوجواں کی ظاہر اب افسونگری — ساز ہے گوسالہ اُس کا اور وہ خود ہے سامری
ساز چھڑتا ہے تو ہوتا ہے گماں دربار کو — یہ جواں شاید پکڑ لایا ہے موسیقار کو
انگلیاں اُس کی جو صرفِ پردہ ہائے ساز ہیں — خازنِ گنجینۂ مقصد نوائے راز ہیں
اُس کی ہر گت میں کچھ ایسا اُس نے پھونکا ہے فسوں — سننے والوں کی رگوں میں دوڑنے لگتا ہے خوں
خود مگر اس وقت تک یہ نوجواں خاموش ہے — ساز ہی اُس کا فقط دزدِ متاعِ ہوش ہے
ساز سے خود بھی ملاتا ہے وہ اب آواز کو — زندہ کرتا ہے شبیہہِ پیکرِ اعجاز کو
نور کا اُس شخص کو قدرت نے بخشا ہے گلا — جس کی تانوں سے خلا میں جلوہ آرا ہے خلا
اُس کی ہر اک گٹکری ہے ہالۂ جرمِ قمر — پڑ رہا ہے یا مگر جادو کے دریا میں بھنور
اس کی تانیں ہیں رسیلی اور ترانے جاں نواز — دلگدازی میں ہیں لیلیٰ، دل نوازی میں ایاز
اہلِ محفل کو سناتا ہے کہانی نجد کی — جس سے ہو جاتی ہے حالت سب پہ طاری وجد کی
مست ہو کر جھومنے لگتی ہے ساری انجمن — لوحِ ادراک سے مٹتا ہے نقشِ ما و من
دیکھ کر یہ حال جس سے محوِ حیرت ہوں ملک — نوجواں کے لب پہ آتی ہے تبسم کی جھلک

لکھ کے اک پرچہ پہ کچھ مسند پہ دیتا ہے وہ ڈال
پھر وہ چپکے سے چلا جاتا ہے پھیلا کر یہ جال

(۶)

برف میں ڈوبی ہوئی ہے سارے کشور کی ہوا
ایک جھونکے میں وہ سب سوتوں کو دیتی ہے جگا

سب سے پہلے کھولتے ہیں آنکھ امیرالمومنین
رنگِ محفل دیکھ کر ابرو پہ آجاتی ہے چیں

نوجواں سازندہ کا لیکن جب آتا ہے خیال
غور کرتے ہیں کہ جو اپنا وہی اوروں کا حال

پوچھتے ہیں، وہ مغنی کون تھا اور ہے کہاں؟
کوئی بھی لیکن بتا سکتا نہیں اُس کا نشاں

اتفاقاً آپ کی پرچہ پہ پڑتی ہے نظر
جس سے کھلتی ہے معمے کی حقیقت سر بسر

پرچۂ کاغذ پہ تھا صرف اِس قدر لکھا ہوا
اے خلیفہ یہ عمل بونصر فارابی کا تھا

فسطاط

مصر کا عمرو بن العاص نے جب عزم کیا
نصرتِ حق کا ملک لائے فلک سے پیغام

فوج کے قلب میں ہے جلوہ فگن قائدِ فوج
یا ہے جھرمٹ میں ستاروں کے گھرا ماہِ تمام

جھومتی آتی ہے مستانہ عمرؓ کی تدبیر
چومتی جاتی ہے تقدیر رکابِ اسلام

لانے والے تھے مقوقس کو وہ کب خاطر میں
بات میں جا کے بنا آئے جو کسریٰ کو غلام

اُن کے اندازہ میں تھی مصر کی دولت کیا چیز
جن کی صولت سے ہوا فیصلۂ قسمتِ شام

نیل پر جا کے غرض ڈال دیا دیں نے پڑاؤ
نصب کچھ دور ہوئے ریت میں لشکر کے خیام

پہلے ہی دن ہوئے اِس راز سے قبطی آگاہ
مصر سے لوٹ کے جائیں گے نہ مسلم ناکام

مصر نے جان لڑائی میں لڑا دی، لیکن
آ چکا تھا نظر آغاز میں اس کا انجام

جنگ اور اس کے تسلسل کی یہ کیفیت تھی
کہ مہینوں کو جدا ہو گئے شمشیر و نیام

معرکہ جب یہ ہوا سر تو دیا عمرو نے حکم — کہ اب آگے بڑھیں رایاتِ سعادت فرجام
عمرو سے آکے یہ خادم نے کہا خیمہ میں — آشیاں بند کئی روز سے ہے ایک حمام
انڈے بچے بھی کبوتر کے ہیں اس گھونسلے میں — لا کے چوگا وہ کھلاتا ہے انہیں صبح و شام
حکم اگر ہو تو لیا جائے یہ خیمہ بھی اکھاڑ — لد چکے دیر سے اونٹوں پہ ہیں لشکر کے خیام
عمرو نے سن کے یہ بات اپنے ملازم سے کہا — کر دیا خیمہ ہبہ مَیں نے کبوتر ہی کے نام
میرے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے — میرے آرام پہ ہے اِس کا مقدم آرام

شہر اِک اسلام نے آباد کیا پُر رونق — تھا کبوتر کا جہاں عمرو کے خیمہ میں قیام
خیمہ کے واسطے نامِ عربی ہے فسطاط — پڑ گیا اِس لئے فسطاط ہی اِس شہر کا نام
جاں فدا اُس پہ چمن آرائے حجازی پہ مری — جس کے اَخلاق کی نکہت سے معطر ہے مشام
ہو کبوتر سے جب اسلام کا ایسا برتاؤ
کیوں نہ یہ دین ہو دنیا کے لئے رحمتِ عام

۱۶ر دسمبر ۱۹۱۶ء

اسلام بہ کوریٔ بختِ اوہام

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ لَا تَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ

مصطفٰے جب خاک میں بیٹے کو آئے سونپ کر — ٹکڑے ٹکڑے تھا کلیجہ پارہ پارہ تھا جگر
کہتی تھی شانِ رسالت ہے یہ وقتِ صبر و شکر — گرچہ تھا دل کا تقاضا رو دیئے جی کھول کر
تھے صحابہؓ بھی شریک اس غم میں پیغمبرؐ کے ساتھ — سب کے دل اِس صدمۂ جانکاہ سے تھے پُر اثر
اتفاقاً آفتاب اِس دن گہن میں آگیا — ظلمتستاں بن گیا جس سے مدینہ سربسر

اک صحابی نے کہا فرطِ عقیدت سے کہ آج
سوگوار اِس غم میں سورج بھی ہے یا خیر البشرؐ
جو جواب اِس بات کا اُس کو پیمبرؐ نے دیا
آب زر سے ہے منقش صفحۂ تاریخ پر
"کیا تعلق آدمی کے غم سے سورج کو بھلا
اک نشانِ قدرتِ حق ہے کسوف اے بیخبر"

یکم جنوری ۱۹۱۰ء

آزادی

عمرو ابن العاص کے بیٹے نے مارا بے خطا
مصر کے بازار میں اِک قبطیٔ ناشاد کو
اپنے گھر کی سلطنت تھی مدعی تھا غیر نسل
ضعف جس کا دے رہا تھا دعوت استبداد کو
کوئی طاقت دستگیری اُس کی کر سکتی نہ تھی
قیصر و پاپا بھی آ سکتے نہ تھے امداد کو
ہاں مگر وہ عدل کا پیکر کہ اُس کے عہد میں
سر چھپانے کی جگہ ملتی نہ تھی بیداد کو
جس کی نظروں میں مسیحی اور مسلم ایک تھے
جس نے قرباں کر دیا ایمان پر اولاد کو
جلوہ گر تھا تمکنت سے مسندِ اسلام پر
سُن رہا تھا قبطیٔ مظلوم کی فریاد کو
مدعی سے آپ نے ملزم کو پٹوا کر وہیں
کر دیا پھر استوار انصاف کی بنیاد کو
جو نصیحت کی مسلمانوں کو اُس دم آپ نے
درسِ عبرت ہے وہ اِس دورِ ستم ایجاد کو
لوحِ دل پر نقش ہے فاروقِ اعظم کا یہ قول
ہم نہ بھولیں گے کبھی اِس آپ کے ارشاد کو
آدمی پیدا ہوا آزاد ماں کے پیٹ سے
کب سے تم لوگوں نے سمجھا ہے غلام آزاد کو
کاش یورپ جائے کوئی نکتہ ور اور یہ سبق
اُٹھ کے دے تہذیبِ انسانی کے اِس استاد کو

آرزو

میری جاں پر چھائے جاتی ہے فنا کی آرزو
اور زباں پر آئے جاتی ہے بقا کی آرزو

میں خبر جس مُبتدا کی ہوں، کہاں گم ہو گیا
میری آنکھوں کو ہے میرے نقشِ پا کی آرزو

ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں اسلام کو لے کر چراغ
کافرِ مسلم نُما کو ہے خدا کی آرزو

صدق میں صدّیقِ اکبرؓ سے الگ میری روش
لیکن اِس پر بھی صداقت کے لوا کی آرزو

عدل میں فاروقِ اعظمؓ سے جُدا میرا شعار
لیکن اس پر بھی خلافت کی قبا کی آرزو

شرمِ دیں میں صد ہوں میں عثمانؓ کے آئین کی
لیکن اِس پر بھی مجھے شانِ حیا کی آرزو

دست و پا بشکستگی پر بھی مرے دل میں رہی
زورِ بازوئے علیؓ مرتضیٰ کی آرزو

آنکھ مازاغ البصر کے سرمہ سے بیگانہ ہو
حیف ہے پھر بھی ہو اُس کو ماطغیٰ کی آرزو

لَیس لِلانسان اِلّا ماسعیٰ کو بھول کر
آرزو میری بھی ہے کیسی بلا کی آرزو

اے مسیحا کی نوید اے ابنِ آذر کی دُعا
بلکہ خود خلّاقِ اکبر کی قضا کی آرزو

اُٹھ کہ ہے تیری دوا ہی تیری اُمّت کا علاج
ملّتِ بیضا کو ہے تیری دعا کی آرزو

جاگ جاگ او نیند کے ماتے کہ تیری قوم کو
ہے اسی منزل میں اپنے رہنما کی آرزو

رات اندھیری کارواں جنگل میں اور چپ ہے جرس
قافلہ کو ہے تری بانگِ درا کی آرزو

سہانا وقت

وقت آگیا کہ باغ میں بلبل ہو نغمہ سنج
اور شاخِ گل کو مژدۂ فصلِ بہار دے

وقت آگیا کہ پھولوں سے لد جائیں ٹہنیاں
اور ہر شجر لباسِ خزاں کا اتار دے

وقت آگیا کہ آنکھ کو بازارگانِ صبح
بیعانۂ تفاوتِ لیل و نہار دے

وقت آگیا کہ ساقیٔ خُمِ خانۂ حجاز
بھر بھر کے پھر ایاغِ مئے مشکبار دے

وقت آگیا کہ رات کٹے اور پَو پھٹے
وقت آگیا کہ عرش سے جبریل تار دے

"اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے"

۱۲ر فروری ۱۹۲۵ء

نوائے سروش

آج ہوا ہے اجتماع قدس میں اہلِ راز کا
رنگ دکھاؤں میں تمہیں بزم میں سوز و ساز کا

جھوم رہے ہیں نشّہ میں جن و ملائک و بشر
جوش ہے کائنات میں خُم کدۂ حجاز کا

غلغلہ ہے مچا ہوا فرش سے بام عرش تک
مسلمِ دل فگار کے نالۂ جاں گداز کا

غیرتِ حق کی بجلیاں کوند رہی ہیں ہر طرف
تُرکِ فلک کو حکم ہے اِک نئی ترکتاز کا

ہند ہو یا حجاز ہو مصر ہو یا عراق ہو
حیلہ نہ چل سکا کہیں جانِ بہانہ باز کا

مشرقیوں کے واسطے سایہ ہے عین آفتاب
فلسفہ ہے یہ مغربی نورِ نظر نواز کا

کعبہ میں آ گئے صنم بت کدہ بن گیا حرم
قبلہ ہی وہ نہیں رہا رُخ ہو کدھر نماز کا

زہر بھرا پیالہ ہے لیکن اسے پیو ضرور — ہم کو یہی اشارہ ہے اُن کی نگاہِ ناز کا
تاب نہیں کہ سُن سکوں کیجئے اس کو مختصر — قصّہ بہت طویل ہے کفر کی حرص و آز کا
وقتِ دوا گزر گیا عہدِ دعا ہوا قریب
ناصیہ مریض کو اِذن ہوا نیاز کا

۷ر فروری ۱۹۲۰ء

شہر آشوب

(حکیم ناصر خسرو علوی خراسانی کی نظم بلباسِ اردو)

اے صبا جا کر مدینے کو مرا پہنچا سلام — وہ مدینہ جس میں ہے اربابِ حکمت کا مقام
پھر بتا مجھ کو کہ سب احباب ہیں کس رنگ میں — دے چکے جس وقت جا کر اُن کو یہ میرا پیام
عہد و پیماں پر زمانہ کے نہ بھولو دوستو! — نقضِ عہد اِسکی ہے عادت بیوفا ہے اس کا نام
اِس دیارِ علم ہی کی پائمالی دیکھ کر — آسماں نے جس سے رہ رہ کر لیا ہے انتقام
عزۂ دنیا کی حکومت پر تو کرتے ہو مگر — یاد ہے اسلام کا تم کو جلال و احتشام
کانپتے تھے جس کی ہیبت سے فرلغونی امیر — جس کی صولت نے بنایا تھا ہزاروں کو غلام
خاکِ ختلاں روند ڈالی جس کے پیلِ مست نے — ہند تک پہنچا ہوا تھا جس کا توسنِ محشر خرام
تم خوشامد سے کہا کرتے تھے اُس کے سامنے — دے خدائے پاک سلطاں کو حیاتِ مستدام
گر چبانا چاہتا تھا کوئی لوہے کے چنے — شاہ کے اقبال سے مکھّن وہ بنتے تھے تمام
ذکر کل کا ہے کہ ہم بھی قبلۂ حاجات تھے — اہلِ ایماں کے لئے ہو جس طرح بیت الحرام
اب کہاں ہے اُس کی سطوت اور کہاں اُس کا شکوہ — برجِ سرطاں سے بھی اونچا تھا کبھی جس کا مقام
رہ گیا زابلستانی ٹھاٹھ سب یوں ہی دھرا — جب اجل نے کوچ کا آ کر دیا اُس کو پیام

آسماں نے اختیارِ قیصر و فغفور سے
دولت و اقبال کی پل بھر میں چھینی ہے زِمام

آسماں پر نہ کہ نہیں سکتے گہن کے داغ سے
اس درخشانی پہ مہر انور و ماہِ و تمام

ایک دن تقدیر گھورے کی بھی جاتی ہے پلٹ
آج جو رسوا ہے کل ہوگا اسی کا احترام

چاند سے سیکھو کہ ہے اوساط ہا خیر الامور
بدر کیوں گھٹتا اگر پہلے ہی رہتا ناتمام

بادۂ پندار سے گر اہل عالم مست ہیں
دُور ہی سے تجھ کو لازم ہے انہیں کرنا سلام

بسکہ ہیں طاؤس کے پر دیدۂ زیبا اور دل فریب
کام کرتا ہے شکاری اس لیے اس کا تمام

جسم ہے زنجیر اور دنیا ہے زنداں کی مثال
چند دن اس قید خانہ میں ہے انساں کا قیام

علم اور طاعت سے ہے عاری تری جانِ حزیں
اکتساب علم و طاعت سے کر اس کو شاد کام

ہے زمیں دنیا عمل بیج اور دہقاں جاں تری
چاہیے دہقاں کو کھیتی میں بہت ہی اہتمام

خوشہ چینی آج کل کر لے کہ ہے فصلِ ربیع
تاکہ جاڑے کے دنوں میں آئے یہ سرمایہ کام

اسلام کی لوری اپنے بچوں کو

مَیں ترے واسطے پیغامِ لقا لایا ہوں
اور اُسے کشتیِ ایماں میں لگا لایا ہوں

مَیں ترے سر کے لئے گنبدِ خضرا جا کر
کلہ سایۂ شاہ دوسرا لایا ہوں

تیری تاریخ کے اوراق کی زینت کیلئے
بدر سے سُرخیِ خونِ شہدا لایا ہوں

اعتنا ترے لشکر کی کمک کیلئے میں
عرشِ اعظم سے فرشتوں کو بلا لایا ہوں

موجِ توحید کی طغیانیوں میں کفر کا ٹھاٹھ
خس و خاشاک کی مانند بہا لایا ہوں

۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء

ماں باپ کا ادب

اِک دن نبیؐ نے حلقۂ احباب میں یہ لفظ — دہرائے تین بار کہ "ناک اُس کی کٹ گئی"
اصحاب نے کہا کہ یہ کم بخت کون ہے — توقیر جس کی حضرتِ باری میں گھٹ گئی
ارشاد یوں ہوا کہ وہ فرزندِ ناخلف — گھر جس کے جنّت آئی اور آکر پلٹ گئی

ماں باپ کا جسے نہ بڑھاپے میں ہو خیال
اُس نا سعید بیٹے کی قسمت گئی اُلٹ

(حدیث)

اعظمُ الجہاد

بے لاگ بات بال برابر لگی نہ رکھ — فرما گئے ہیں حضرتِ خیر البشرؐ یہی
اظہارِ امرِ حق میں نہ ہو خوفِ دار و گیر — ہے اعظمُ الجہاد بحکمِ خبر یہی

(حدیث)

اسلام کی شناخت

اللہ کو پسند نہیں خصلتیں تری — جو تیری جانب اس کو دلاتی ہیں التفات
ہے حلم بردبار بھی اور ذی وقار بھی — اسلام کی شناخت ہے اَلحِلمُ والاۃ

(حدیث)

رشتۂ اسلام

ہٹے بالشت بھر بھی تم اگر ملت کے دامن سے
تو کٹ کر گر پڑے گا رشتۂ اسلام گردن سے

(حدیث)

اطاعت و استطاعت

جب اک دن سرورِ کون و مکاں کے دستِ اقدس پہ
سَمِعْنَا اور اَطَعْنَا کہہ کے کچھ لوگوں نے بیعت کی
تو شانِ رحمۃ للعالمینی کا تقاضا تھا
کہ اس بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ میں ہے قیدِ استطاعت کی

(حدیث)

دین کی لِم

پیمبرؐ سے سفیان نے عرض کی
کہ سمجھائیے دین کی مجھ کو لِم
بھرا کوزہ میں دجلہ یوں آپ نے
قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ

(حدیث)

ایمان کی شناخت

رکھ لی زباں نے اس دلِ فسق آشنا کی شرم
علم اس کے وسوسوں کا اگر ہے خدا کو ہے
یہ واردات قلبِ صحابِ کبار کی
سن کر کہا نبیؐ نے کہ ایماں یہی تو ہے

(حدیث)

اللہ والے

مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

قدموں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا

ہیں دُوسروں کے واسطے سیم و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چُولھا بُجھا ہوا

کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

دستِ دُعا اُنھیں کے لئے عرش تک بلند
ہے جن کی آستین میں خنجر چھپا ہوا

بوتے رہے جو رستہ میں کانٹے تمام عمر
پھُولوں میں ایک ایک ہے آکر تلا ہوا

احسان کی نوید سپید و سیاہ کو
سب کے لیئے دریچۂ رحمت کھُلا ہوا

جن کے یہ سارے کام ہیں اللہ کے لیے
پھر کیوں نہ سب سے رُتبہ ہو اُن کا بڑھا ہوا

خورشید و ماہ و انجم و لیل و نہار پہ
اُن کی یداللّٰھی کا عَلَم ہے گڑا ہوا

تیور بدل گئے تو زمیں کانپنے لگی
ابرو کے اک اشارہ سے محشر بپا ہوا

یثرب سے آج بھی یہ صدا گونجتی سُنو
وہ جو خُدا کے ہو گئے اُن کا خُدا ہوا

۲۹ر اپریل ۱۹۳۷ء

اخلاقِ مرتضوی رضؓ

روایت ہے کہ اک سرکش یہودی
ہوا جنگ آزما شیرِ خُدا سے

نہ تھا اِس رمز سے شاید وہ آگاہ
کہ یہ کُشتی وہ لڑتا ہے قضا سے

جو اپنی جان کا ہو آپ دُشمن
وہی اُلجھے علی المرتضےٰ رضؓ سے

ہوا واقف وہ پہلی ہی پکڑ میں
علی رضؓ کے زورِ مرحب آزما سے

زمیں پر آ رہا گرتا ہے جس طرح — خزاں کا آخری پتّہ ہوا سے
کھڑی تھی موت اس کے سر پہ اُس وقت — نہ تھا اُس کو مفر سبیلِ فنا سے
برنگِ ذوالفقار اُس کے لہو کے — نظر آتے تھے عرش و فرش پیاسے
یہودی نے یہ جب دیکھا کہ ہرگز — نہیں ممکن ہے بچنا اس بلا سے
مقابل چاند تھا تھُوکا اُسی پہ — طبیعت کے بُرے اقتضا سے
کہ نکلے آخری نفرت کی حسرت — اِسی حیلے دلِ کفر آشنا سے
یہ گستاخانہ اور بے ہودہ حرکت — جُونہی سرزد ہوئی اس ناسزا سے
معاً روکا علیؓ نے ہاتھ اپنا — وہ جو دو ہاتھ آ گئے تھا قضا سے
کیا خُوں بھی معاف اور یہ خطا بھی — مئے احساں سے تھے لبریز کاسے
جرائم سے نوازش کچھ سوا تھی — عطائیں بڑھتی جاتی تھیں خطا سے
یہودی بن گیا تصویرِ حیرت — امیر المومنیں کی اس ادا سے
لگا کہنے کہ اے سردارِ ذی جاہ — یہ سب کچھ کیوں ہے اور کس مدّعا سے
مجھے کیوں آپ نے محروم رکھا — مرے مغلوب ہونے کی سزا سے
کیا کیوں میری اس حرکت سے اغماض — جو ہے مذموم بڑھ کر انتہا سے
مکافاتِ عمل کا یہ تصوّر — ہے بالاتر مری فکرِ رسا سے
جواب اس نکتۂ باریک کا یوں — ملا اُس کو لبِ مشکل کشا سے
جو سچ پُوچھے تو غصہ آ گیا تھا — مجھے اس تیرے فعلِ ناروا سے
مگر یہ غصّہ رکھتا تھا تعلّق — فقط میرے ہی نفسِ فتنہ زا سے
میں اس حالت میں تجھ کو قتل کرتا — تو ہوتا سُرخرو کیونکر خدا سے
کہ میں جو کام بھی کرتا ہوں اُس میں — غرض ہوتی ہے مولا کی رضا سے
یہودی سُن چکا اچھی طرح جب — یہ ارشاد انتہا تک ابتدا سے

پکار اُٹھا کہ ہے اسلام سچا — ہے دُنیا قائم اِس دینِ ہدیٰ سے
تہی داماں رہا ہوں آج تک میں — چنوں گا پھول اب اس بُستاں سرا سے
مرا گھر شعلہ زارِ طور ہو گا — اب اِس شمعِ فروزاں کی ضیا سے
نہ سرتابی کروں گا آج کے بعد
خُدا سے اور محمّد مصطفےٰ سے

دسمبر ۱۹۱۴ء

تمنّائیں

الٰہی! برقِ غیرت کی تڑپ مجھ کو عطا کر دے — مجھ آتش زیر پا کو ساتھ ہما آتش نوا کر دے
مری تقریر سحر آلود میں کر وہ اثر پیدا — کہ اہلِ درد کے حلقوں میں اک محشر بپا کر دے
دیا ہے علم اگر تُو نے تو ساتھ اس کے عمل بھی ہو — کہ شرحِ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کر دے
بتا دوں گا کہ خاکِ ہندیوں اکسیر بنتی ہے — مری پلکوں کو جاروبِ حریمِ مصطفےٰ کر دے
تمہارا قافلہ کچھ لُٹ چکا اور کچھ ہے لٹنے کو
رسُول اللہ کو اس کی خبر بادِ صبا کر دے

(۲)

جو مُسلم ہے تو جاں ناموسِ ملت پر فدا کر دے — خُدا کا فرض اور اُس کے نبیؐ کا فرض ادا کر دے
بھری محفل میں لا سکتا نہ ہو گر کفر تاب اُس کی — تو زنداں ہی میں جا کر روشن ایماں کا دیا کر دے
شہادت کی تمنا ہو تو انگریزی حکومت پر — کسی مجلس کے اندر نکتہ چینی برملا کر دے
ضرورت ہے اب اُس ایجاد کی دانائے مغرب کو — جو اہلِ ہند کے دامن کو چولی سے جُدا کر دے

نکل آنے کو ہے سورج کہ مشرق میں اُجالا ہو — برس جانے کو ہے بادل کہ گلشن کو ہرا کر دے
قفس کی تیلیوں پر آشیاں کا کاٹ کر جکڑ — فلک سے گر پڑے بجلی کہ بُلبل کو رہا کر دے

یہ ہے پہچان خاصانِ خدا کی ہر زمانے میں
کہ خوش ہو کر خُدا اُن کو گرفتارِ بلا کر دے

۱۹۲۰ء

ربِّ کعبہ کا لُطفِ عام

گجر دم آج مستوں کو یہ جاں پرور پیام آیا — کہ تم سب جس کے متوالے ہو گردش میں وہ جام آیا
قبائے ملّتِ بیضا کو جن تکموں کی حاجت تھی — شہیدوں کے لہو کا قطرہ قطرہ اُن کے کام آیا
خُدا کے تخت سے ٹکرائیں مظلوموں کی فریادیں — ستم کی رُوح کانپ اُٹھی کہ وقتِ انتقام آیا
سواری رہ نوردِ منزلِ اسریٰ کی جب نکلی — تو جبریلِ امیں تھامے ہوئے اُس کی لگام آیا
مرتّب آپ کی جس کی ہر اک شق ربِّ اکبر نے — پیمبر عرش سے لے کر وہ دستوری نظام آیا
جھکا دیں گردنیں فرطِ ادب سے کج کلاہوں نے — زباں پر جب عرب کے ساربانزادوں کا نام آیا

رسُولؐ اللہ سے از بسکہ نسبت خاص ہے اُن کو
مسلمانوں کے حصّہ میں خُدا کا لطفِ عام آیا

ابدی زندگانی

اک مجتہد سے میں نے کیا اس طرح خطاب — نکتے نکالے آپ نے ہیں بات بات میں
واقف ہیں آپ فلسفۂ موجبات سے — ساتھ اس کے دخل آپ کو ہے سالبات میں

مجھ کو بھی اپنے علم سے کچھ حصّہ دیجئے — سمجھا ہوں میں اگر نظرِ التفات میں
موت اور زندگی کے نہیں جانتا میں رمز — در خور نہیں ہے کچھ بھی مجھے ان نکات میں
یہ مسئلہ سپردِ قلم کر سکے وُہی — ڈالا ہو جس نے صوفِ تعلّق دوات میں
کہتا ہے کیا اُصولِ طبیعی کا فلسفہ
ارشاد کیا ہے بابِ حیات و ممات میں

کہنے لگے کہ نام ہیں دو ایک چیز کے — ہیں مختلف صفات عیاں ایک ذات میں
اشکال ہیں یہ دو حرکت کی جُدا جُدا — مرکز ہے ایک دائرۂ کائنات میں
فرقِ نظر ہے ورنہ جگاتا ہے ایک نُور — سُورج کو دن کے وقت کواکب کو رات میں
جولانیوں کی ریگِ رواں میں بھی ہے نمود
طغیانیاں ہیں گر نظر آرا فُرات میں

یہ فصل ہے فسانۂ شمر و حسین کی — پڑھ جائیے گا اس کو شہادت کی رات میں
ہیں جلوہ ریزِ گرمیِ ہنگامہ کے شرار — دولھا مگر نظر نہیں آتا برات میں
پوچھو حُسینؑ سے ابدی زندگی کا راز — یہ نکتہ ہے چھپا ہُوا ان کی وفات میں
جھپکی ہے آنکھ کی جسے سمجھے ہو زندگی
ہے مستتر مگر ابدیت ممات میں

۷ ستمبر ۱۹۱۷ء

ماضی و حال

کبھی بامِ ثریا سے بھی اونچی جو عمارت تھی
وہ قصرِ سطوتِ کبریٰ کی رفعت سے عبارت تھی

ہوئی حجت خدا کی ختم آخر نوعِ انساں پر
مکرر دی گئی جس کی زمانہ کو بشارت تھی

نہ ملتا تاج اسے کیوں رحمۃ اللعالمینی کا
کہ اس کو دی گئی بزمِ نبوت کی صدارت تھی

اک امی ایک ٹھوکر سے کرے سو فلسفی پیدا
نہ پوچھا فلسفہ اس کا یہ اک ایسی بجھارت تھی

نمازیں آبِ خنجر سے وضو کر کے پڑھتے تھے
اسی پانی سے مومن کی ہوا کرتی طہارت تھی

اَحَلَّ اللہُ الْبَیْعَ اپنی فراغت کا وسیلہ تھا
جہانداری سے مسلم کے لئے بڑھکر تجارت تھی

قبا ہوتی تھی اوپر اور نیچے خرقہ ہوتا تھا
وہ دنیا دیں نہ ہو جس میں ہمیں اس سے حقارت تھی

ہمارا ظاہر و باطن ڈھلا تھا ایک سانچے میں
بصیرت تھی دلوں میں اور آنکھوں میں بصارت تھی

نہیں ابجد شناس اغیار اب تک ہو سکے اس سے
ہمیں جس علم پر قدرت تھی جس فن میں مہارت تھی

ہمارا سر نہ جھکتا تھا کسی فرعون کے آگے
رگوں میں شیر خوں تھا اور اس خوں میں حرارت تھی

تجاوز کر نہ سکتے تھے وَجَادِلْھُم ہِیَ اَحْسَن سے
کہ حُسنِ خلق کی اوراقِ قرآں میں اشارت تھی

اگر ہم آج کے دن وہ نہیں ہیں جو کسی دن تھے
تو یہ قسمت کی شوخی تھی مقدر کی شرارت تھی

مسلماں

اے مسلمان جواب آپ ہی اپنا ہے تو
اپنے اللہ کی رحمت کا سراپا ہے تو

جس نے دنیا کو دیا عدل و مساوات کا درس
اس کے احسان کا بہتا ہوا دریا ہے تو

فرش پر پاؤں ہیں اور عرش پہ ہے سر تیرا
علم تاجورِ یثرب و بطحا ہے تو

تری تلوار کی جھنکار کا دنیا میں ہے شور — حشر اس شور سے کرتا گیا برپا ہے تو
بے پناہوں کے لئے ہے ترے بازو میں پناہ — ناتوانوں کو ہو غم کیا کہ توانا ہے تو
دونوں عالم ترے اک قطرۂ خوں کی قیمت — ہے خدا تیرے لئے کیونکہ خدا کا ہے تو
چومتے ہیں تری دہلیز کو ماہ و خورشید — محفلِ مشرق و مغرب کا اجالا ہے تو
کشورِ ہند کے ناموس کو خطرہ سے بچا — اے کہ ہنگامۂ توحید کا غوغا ہے تو

زندگی موت سے اسلام نے کی ہے پیدا
اے مسلماں اسی اسلام کا بیٹا ہے تو

دسمبر ۱۹۱۷ء

رامائن کا ایک سین

(ایک رشی کے داغِ جگر کی کہانی راجہ جسرتھ کی زبانی)

(۱)

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی — تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بانات کی
آفتاب اوڑھے ہوئے تھا چادرِ ابرِ سیاہ — برق کی چشمک زنی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ
بادل اتنے میں دُرِ ناسفتہ برسانے لگا — داستانِ قلزم و عماں کو دہرانے لگا
جھوم کر اٹھی گھٹا، برسی، برس کر چھٹ گئی — گرد کی چادر زمیں کے منہ سے فوراً ہٹ گئی
بادلوں سے نورِ خورشید اس طرف چھننے لگا — سائباں قوسِ قزح کا اس طرف تننے لگا
سبزہ زاروں میں کلیلیں کرتے پھرتے تھے ہرن — تھا بسا بن کا ہر اک گوشہ ختن اندر ختن
جنگلوں میں مست ہو کر ناچتے پھرتے تھے مور — کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور

ڈھل کے پہنچا تھا اُفق کے آستاں تک آفتاب
تھا شفق کا اُس کے منہ پر ایک نارنجی نقاب

(۲)

بینش آرا یہ مناظر تھے کچھ ایسے دل فریب — ہاتھ سے جاتا رہا دل میرے اور دل سے شکیب
عالمِ از خود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہو گیا — جوشِ مستی کا مری رگ رگ میں ساری ہو گیا
جی میں آیا میرے رہ رہ کر یہی بے اختیار — گھر سے نکلوں بھاگ کے جنگل میں کروں سیر و شکار
ہاتھ میں ترکش لیئے کاندھے پہ لٹکائے کماں — میں چلا بن کی طرف گھر سے نکل کر شادماں
پڑ رہی تھی ہر طرف میری تجسس کی نظر — تاک میں تھا میں کہ شاید کوئی پیاسا جانور
گھاٹ پر جاتا ہو پیاس اپنی بجھانے کے لیئے — اور بنے آ ماج گہ میرے نشانے کے لیئے
دفعتہً ندی سے قلقل کی ہوئی پیدا صدا — اور مرا تیر اُس صدا کی سمت مخفی میں چلا
گرچہ اٹکل سے چلایا میں نے تھا اس تیر کو — لیکن اُس کی زد میں لے آئی قضا نخچیر کو

آہ سینے سے کسی کے ایک نکلی دردناک
میرے دامانِ جگر کے ہو گئے سو جس سے چاک

(۳)

تھا یہاں کوئی رِشی دنیا سے منہ موڑے ہوئے — اس نمودِ بے بقا کی بیڑیاں توڑے ہوئے
اُس کا بیٹا تھا (جسے پالا تھا اس نے ناز سے) — جو ہوا گھائل مرے تیرِ غلط انداز سے
نیم بسمل ہو کے ندی میں یہ لڑکا گر پڑا — درد کی اور کرب کی حالت میں یوں کہنے لگا
ہائے زخموں سے کیا ہے مجھ کو کس نے چور چور — یہ سزا ہے جس کی ایسا کیا ہوا مجھ سے قصور
ہے مرا بیچارہ باپ اک راہبِ خلوت نشیں — جس نے ایذا آج کے دن تک کسی کو دی نہیں

پانی بھرنے کے لئے آیا تھا میں اس گھاٹ پر | بھر کے تھلیا جل سے اُٹھا تھا کہ جلدی جاؤں گھر
کیا خبر تھی مجھ کو موت آ کر کھڑی ہے تاک میں | آنکھوں آنکھوں میں ملا جائے گی مجھ کو خاک میں
کچھ نہیں ہے رنج اپنی زندگانی کا مجھے | فکر ہے باپ اور ماں کی ناتوانی کا مجھے
ضعف کا یہ غلبہ ہے اُن سے ہلا جاتا نہیں | اُن کو آنکھوں سے نظر افسوس کچھ آتا نہیں
ہائے اُن کی پھوٹی آنکھوں کا ستارہ میں ہی تھا | اُن بچاروں کے بڑھاپے کا سہارا میں ہی تھا
زندگی اُن کے لئے کیونکر نہ اب جنجال ہو | میرے بعد اُن کا خدا ہی جانے کیسا حال ہو

ایک مجھ کو ہی نہیں آ کر لگا ہے تیر یہ
بلکہ اُن دونوں کا پہلو بھی گیا ہے چیر یہ

(۴)

جب سُنیں میں نے یہ باتیں جاں خراش و دل فگار | ہوش میرے اُڑ گئے سیماب سے جیسے قرار
میرے مذہب میں نہیں جائز کہ دوں لوگوں کو دکھ | ہے یہ راجہ کے لئے لازم کہ دے پرجا کو سکھ
بات یہ ممکن تھی پھر کیونکر کہ مجھ سے برملا | ہو کسی کی اور وہ بھی اک رشی کی ہتیا
بید لرزاں کی طرح ڈر سے لگا میں کانپنے | میں سمجھتا تھا مجھے گویا ڈسا ہے سانپ نے
ہاتھ سے میرے گرے تیر و کماں بے اختیار | جس طرح پتوں سے ہو خالی خزاں میں شاخسار
ڈگمگاتا لڑکھڑاتا میں گیا آخر وہاں | کر رہا تھا نالہ و شیون مرا بسمل جہاں
دیکھتا کیا ہوں کہ اک لڑکا نہایت ہی حسیں | شانِ قدرت کی تماشا گاہ تھی جس کی جبیں
حُسن کا جس کے یہ عالم تھا کہ ماہِ آسماں | دیکھ لیتا گر اُسے غیرت سے ہو جاتا نہاں
سسکیاں لیتا ہوا زخمی پڑا ہے خاک پر | حسرت و اندوہ سے لبریز ہے اُس کی نظر
اُس کے شانوں پہ جو تھی بھوری جٹا بکھری ہوئی | میں یہی سمجھا کہ یہ اکسیر ہے بکھری ہوئی
جس میں پانی تھا بھرا اُس نے وہ مٹی کا گھڑا | اک طرف ٹوٹا ہوا تھا پاس ہی اس کے پڑا

(۵)

میں نے دیکھا اُس کو اور اُس نے نظر بھر کر مجھے — روح کانپ اُٹھی مری کہتے سُنا یوں جب اُسے
میں نے اے راجہ بتا تو کی تھی کیا تیری خطا — ہائے تُو نے کس لیے سینہ مرا چھلنی کیا
کس لئے ڈھایا ہے اُس بیکس پہ یوں تُو نے ستم — اِک رشی کے گھر میں ہو آ کر لیا جس نے جنم
باپ کے بیٹے کے اور ماں کے جگر تقدیر سے — چھد گئے اک ساتھ اے راجہ ترے اک تیر سے
میری ماں اور باپ کو اس وقت میرا انتظار — کر رہا ہوگا وہاں بے چین بے کل بے قرار
دیر سے پیاسے تھے وہ شدت کی ہوگی اُن کو پیاس — بندھ رہی دونوں کو ہوگی میرے گھر آنے کی آس
جلد جا بپتا سُنا میری یہ میرے باپ کو — اور بچا اُس کے غضب سے راجہ اپنے آپ کو
کیونکہ اے راجہ سراپ اُس نے اگر تجھ کو دیا — یاد رکھ پل بھر میں تُو جل کر بھسم ہو جائے گا
لیکن اوّل میرے سینے سے جُدا یہ تیر کر — درد سے مجھ کو بچانے کی کوئی تدبیر کر

تا کہ جانِ پُر الم نکلے ذرا آرام سے
اور نہ ہوں میں شرمسار اس مرگِ بے ہنگام سے

(۶)

اس قدر کہتے ہی لڑکے کی نظر پتھرا گئی — اُس کے مُنہ پر مُردنی اور مجھ پہ حسرت چھا گئی
کھینچتے ہی تیر تن سے جان رخصت ہو گئی — روح اُس کی گود میں پرماتما کی سو گئی
مجھ سے نادانستہ سرزد ہو چکا تھا جو گناہ — تھا خیال اُس کا وہ دریا جس کی ملتی تھی نہ تھاہ
دل میں درد و کرب کا چشمہ اُبلتا تھا مرے — کوئی چٹکی سے کلیجے کو مسلتا تھا مرے
سرنگوں ہو کر کھڑا تھا میں سرہانے لاش کے — دل میں کہتا تھا مجھے یہ تیر لگتا کاش کے
سوچتا تھا میں مرا کفّارۂ عصیاں ہو گیا — نذر ہے جس کی جگر اُس درد کا درماں ہو گیا

جھونپڑے کے پاس پہنچا تو مجھے آیا نظر
باپ ماں لڑکے کے بیٹھے ہیں زمیں کے فرش پر

دونوں کے دونوں ہیں نابینا و پیر و ناتواں
نُور آنکھوں میں نہیں لیکن ہے چہروں پر عیاں

باغ میں گویا کہ ہیں دو طائرِ بے بال و پر
چھوڑ رکھا ہے جنھیں صیاد نے پر کاٹ کر

رہ گئے تھے اب تنِ تنہا یہ دونوں تیرہ بخت
آسماں تھا دُور اُن سے اور زمیں تھی اُن پہ سخت

ہُو کا عالم تھا یہاں کرتا تھا جنگل بھائیں بھائیں
سنسنی اُٹھتی تھی سُن سُن کر ہوا کی سائیں سائیں

اس جگہ ان بیکسوں کا رہ نما کوئی نہ تھا
ناؤ تھی منجدھار میں اور ناخدا کوئی نہ تھا

ایک لنگر تھا سو مجھ سے وہ گیا تھا ٹوٹ ابھی
ساتھ بیٹے کا بچاروں سے گیا تھا چھوٹ ابھی

کر رہے تھے اپنے بیٹے کا وہ دونوں انتظار
آ رہا تھا یاد وہ اس وقت اُن کو بار بار

(۷)

ڈے دیا دھوکا اُنھیں میرے قدم کی چاپ نے
کی ملامت اس طرح لختِ جگر کو باپ نے

جانِ بابا! تُو نے دیر اتنی لگائی کس لئے
پیاس جلد آ کر نہیں میری بجھائی کس لئے

کھیل میں تُو نے گنوایا وقت گھر کے کام کا
کچھ خیال آیا نہ ماں اور باپ کے آرام کا

جلد جلد اُٹھتے نہیں کس واسطے تیرے قدم
بھاگ کر آ اپنی چھاتی سے لگالیں تجھ کو ہم

باپ ماں کی آنکھ کے تارے تری دُکھیاری ماں
دیر سے چنتا میں گھڑیاں گنتی بیٹھی ہے یہاں

دی ہے بڈھے باپ نے جھڑکی اگر بیٹا تجھے
مت خفا ہو بلکہ میری جاں بھلا دل سے اسے

یاد رکھ تجھ کو سکھاتا ہے دھرم تیرا یہی
اُس سے نیکی کر ہمیشہ جو کرے تجھ سے بدی

کس لئے چپ چاپ ہے اے میرے پیارے کچھ تو بول
اس قدر کیوں ہو گیا دلگیر گھنڈی دل کی کھول

(۸)

اُس کی اِن باتوں نے ڈالے زخم دل میں جان میں
اور اُنڈیلا سیسہ کر کے گرم میرے کان میں

گڑ گیا تھا میں زمیں میں بند تھی میری زباں
وہ اُدھر رطب اللّساں اور میں اِدھر آتش بجاں

لا سکا جب اپنی خاموشی کی خو میں بھی نہ تاب
جی کڑا کر کے دیا آخر اُسے میں نے جواب

میں نہیں ہوں اے بھگت بھگوان کے بیٹا ترا
راجہ ہوں کم بخت جسرتھ میں اس اُجڑے دیس کا

آج میں کرنے شکار آیا تھا سانبھر کا اِدھر
ایک ندی پر ہوا تقدیر سے میرا گزر

پانی بھرتا تھا وہاں فرزند تیرا ہائے ہائے
جا لگا بھولے سے اُس کو تیر میرا ہائے ہائے

اے رشی اس سے زیادہ اور تجھ سے کیا کہوں
تیری کرپا اور دیا کا اب فقط محتاج ہوں

(۹)

مختصر تھی گرچہ میری داستانِ پُر الم
برقِ خرمن سوز کے گرنے سے لیکن تھی نہ کم

جب رِشی میری زبانی سُن چکا یہ ماجرا
آ گیا غش اُس کو اور دھم سے زمیں پر گر پڑا

دیر تک القصہ طاری اُس پہ بے ہوشی رہی
نکتہ چیں دردِ جگر پر خود فراموشی رہی

آہ آخر اک بھری اُس نے کہ جل اُٹھا جگر
یاد رکھوں گا میں اس آوازِ غم کو عمر بھر

اس طرح مجھ سے کیا اُس تیرہ قسمت نے خطاب
یاس اور حسرت میں تھا ڈوبا ہوا اُس کا جواب

خود بخود چل کر نہ میرے پاس تُو آتا اگر
اور نہ دیتا اس مصیبت کی مجھے آ کر خبر

میرے نورِ چشم کا یہ خونِ ناحق بے گماں
روئے دُنیا سے مٹا دیتا ترا نام و نشاں

مجھ کو تیرے جرم کی نسبت ہوا پورا یقیں
دیدہ و دانستہ یہ سرزد ہوا تجھ سے نہیں

تُو ہے پُتلا لغزشوں کا آخر اک انسان ہے
گرچہ تُو اس وقت پاپی ہے مگر انجان ہے

ورنہ اے راجہ کسی کارن نہ تو بچتا کبھی — راجدھانی تیری لٹتی نسل بھی مٹتی سبھی
لے چل اب ہم بدنصیبوں کو وہاں تو جلد تر — جس جگہ وہ چاند کا ٹکڑا ہے سوتا بے خبر
تاکہ ہم دل کا نکالیں آخری ارمان بھی
اپنے بچے پر نچھاور جی کریں اور جان بھی

(۱۰)

مار کر دھاڑیں غرض سر پیٹتے روتے ہوئے — اپنے دل کو تھامتے اور جان کو کھوتے ہوئے
میرے پیچھے پیچھے لاٹھی ٹیکتے پہنچے وہاں — سو رہا تھا خاک میں لختِ جگر اُن کا جہاں
لاش پر دونوں گرے، یوں باپ نے نوحہ کیا
جس کو سُن سُن کر زمیں کانپی فلک تھرّا گیا

رشی کا نوحہ

کس لئے اٹھ کر نہیں کرتے ہمیں بیٹا سلام — خاک میں عزت ملاتے ہو ہماری ہائے ہائے
چاند سے مکھڑے پہ ڈالا ہے نقابِ خاک و خوں — شکل پہچانی نہیں جاتی تمہاری ہائے ہائے
اپنے رُوٹھے کو منانے چل کے خود آئی ہے ماں — کہہ رہی ہے ماں جائیں تجھ پہ واری ہائے ہائے
تیرے سینے میں جو مارا تاک کر راجہ نے تیر — کیوں نہ ہم پر بھی چلا دی اک کٹاری ہائے ہائے
بھولنا چاہیں گے ہم لیکن نہ بھولیں گے تری — شکل بھولی بھالی باتیں پیاری پیاری ہائے ہائے
میں نے یہ کس دن کہا تھا خاک ہی میں جا کے مل — اتنی بھی اچھی نہیں ہے خاکساری ہائے ہائے
تم سدھارے سُرگ کو اور ہم کو چھوڑا نرگ میں — چاہ کی وہ ریت کیوں تم نے بساری ہائے ہائے
تیری اندھی اور بڑھیا ماں کی میں تیری طرح — کر سکوں گا کس طرح خدمت گزاری ہائے ہائے
ایک بیٹا تھا لیا قسمت نے وہ بھی ہم سے چھین — ہو گئی ہے زندگانی ہم پہ بھاری ہائے ہائے

جا چکا سامان اپنا دیر کا بیکنٹھ کو
رُک نہیں سکتی ہے اب رخصت ہماری ہائے ہائے

(۱۱)

بین یہ کر کر کے مجھ پر ڈھا رہے تھے جو ستم — آخر اُس نے اپنے بیٹے کا کیا کریا کرم
بیخود اور مبہوت بن کر میں کھڑا تھا پاس ہی — یک بیک مجھ پہ پلٹ کر یوں لگا کہنے رشی
ایک ہی تھا یہ مرا لختِ جگر نورِ نظر — تُو نے اُس کی جان لی تجھ پہ ہے خوں اس کا ہدر
مجھ پہ بھی اک وار کر دُونا ترا احسان ہو — بندشِ غم سے کہیں آزاد میری جان ہو
یاد رکھ لیکن مرا کہنا، بہ ایں جاہ و حشم
تیری قسمت میں بھی ہے لکھا ہوا بیٹے کا غم

سمندر

دسمبر ۱۹۱۲ء کے اواخر میں مولانا ظفر علی خاں پریس ایکٹ کے خلاف برطانی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے سلسلے میں برطانیہ تشریف لے گئے۔ اس سے پہلے مولانا نے سمندر کا سفر کبھی نہ کیا تھا۔ بحرِ ہند، بحیرۂ قلزم اور بحیرہ روم سے ہوتا ہوا جہاز مارسیلز پہنچا۔ ان سمندروں کی رنگارنگ موجوں نے مولانا کی طبیعت پر جو اثر کیا اور آپ نے جو مناظر دیکھے اور ان سے دل اور دماغ میں جو گوناگوں کیفیات پیدا ہوئیں ان سب نے مل کر ایک نظم کی شکل اختیار کر لی جسے مولانا نے پیرس کے دو روزہ قیام میں سپردِ قلم کیا۔

✣

اے محیطِ بیکراں اے بحرِ ناپیدا کنار — تیری یکتائی ہے نقشِ وحدتِ پروردگار
تیرے عارض پر جمال اس کا فروغ افشاں کبھی — اور جلال اُس کا کبھی تیری جبیں پر جلوہ بار

ہیں تری پہنائیاں سنجابِ دامانِ خیال
اور تری جولانیاں آغوشِ فطرت کا فشار

تیرا اک اک چینِ ابرو آفتِ جانِ حزیں
تیرا اک اک خندۂ لب لطفِ عمرِ مستعار

تو کہیں ابیض کہیں اسود کہیں احمر ہوا
جلوۂ نیرنگِ قدرت ہے ترا نقش و نگار

حسن تیرا لازوال اور عمر تیری جاوداں
ہو نہیں سکتی خزاں سے منفعل تیری بہار

آخری، پَی علیہا فان کی تو ہو تو ہو
اے ہم آغوشِ ازل اور اے ابد سے ہمکنار

نیلی نیلی تیری موجیں ہیں پرا باندھے ہوئے
یا مگر قدرت کی فوجیں ہیں قطار اندر قطار

جب بہار آتی ہے کرتا تو بھی ہے میری طرح
جامہ اپنا چاک چاک اور دامن اپنا تار تار

ہیں عنادل سے بھی شیریں تر ترے نالے کبھی
اور گرجتا ہے کبھی تو بے محابا رعد وار

پھیل جاتا ہے کبھی تو اور سمٹ جاتا بھی ہے
ہے بلندی میں ابھی کوہ اور ابھی پستی میں غار

تمکنت میں کر دیا لیلیٰ کو تو نے آب آب
اور جنوں میں قیس کا تو نے گھٹایا اعتبار

تو سکوں میں ہے نشانِ رافت و لطفِ خدا
تو ہے طوفاں میں دلیلِ قہر و خشمِ کردگار

میں نے ساغر گیر تیرا چاند کو پایا کبھی
اور کبھی خورشید کو دیکھا ترا آئینہ دار

میں نے ذوالقرنین کی مانند دیکھا ہے تجھے
جب ترے گرمابہ میں اترا ہے مہرِ تابدار

عارض و قامت سے تھی عہدِ وفا توڑے ہوئے
اس کی نارنجی نقاب اس کی قبائے زرنگار

تار و پودِ شوق تھا اوپر تلے بکھرا ہوا
اس کی کرنیں مضطرب اور تیری لہریں بے قرار

میری عشرت گاہِ بینش میں ہوا ہے عشوہ سنج
دستِ شوخِ ماہتاب اور تیرے سینے کا ابھار

تو مجھے دنبالۂ کشتی سے آیا ہے نظر
چشمِ روشن میں لگائے سرمۂ دنبالہ دار

میں نے دیکھا ہے ترا ہیبت فزا جوش و خروش
ہو چکی تھی ظلمتِ شب جب محیطِ روزگار

بجھ چکی تھی آسماں پر مشعلِ ماہِ منیر
منقلِ گردوں میں چشمک زن تھے انجم کے شرار

میں نے دیکھا ہے تجھے خاکِ عرب کو چومتے
اے فدا تیرے اس آئیں پہ مری جانیں ہزار

سجدہ کرتا رہ اسے جب تک ہے تجھ میں جزر و مد
اے ترا نورِ نگہ اس خاکِ اطہر کا غبار

عرش پر گر فرش بھاری ہے تو ہے اس خاک سے
جس میں محوِ خواب ہے کون و مکاں کا تاجدار

وہ کہ جس کا نام ہے نقدِ دو گیتی کی کلید
وہ کہ جس کی ذات ہے حُسنِ دو عالم کا نکھار

وہ کہ جس کی سیزدہ صد سالہ حکمت پر ہوئے
مشرق و مغرب کے اشراقی و مشائی نثار

وہ کہ ہے جس کا خیال اک برق چھوتے ہی جسے
ہستیٔ مسلم لرزنے لگ گئی بے اختیار

وہ کہ جس کی کفش برداری نے بخشا یہ عروج
جو گدا تھے ہو گئے آدھے جہاں کے شہریار

وہ کہ جس کی رحمۃٌ للعالمینی کے طفیل
جوش میں آنے لگی ہے رحمتِ پروردگار

مسلمِ بیچارہ کے حق میں اُسی کے فیض سے
صرفِ رجعت ہو رہی ہے گردشِ لیل و نہار

میں نے دیکھا ہے مسیناؔ کی گزرگہ سے تجھے
بہ رہا ہے جس میں تیرا لاجوردی رود بار

ساحل اٹلی کا اُدھر سسلی کے مینارے اِدھر
وہ فضا سے ہمکلام اور یہ صبا سے ہم کنار

ہیں مسلمانوں کے خُوں میں پرورش پائے ہوئے
اُس کی دلکش گھاٹیاں اس کے دل آرام مرغزار

آہ وہ سسلی، بسایا تھا جسے ہم نے کبھی
اُندلس کی طرح مغرب میں ہماری یادگار

پرچمِ توحید اڑا تھا جس کے ساحل پر کبھی
اور اذانوں سے کبھی گونجے تھے جس کے کوہسار

۱؎ اس آبنائے مسینا ہی میں سے گزرتے وقت اقبالؒ نے یہ شعر کہا تھا:

؎ ہرے رہو وطنِ مازنی کے میدانو
جہاز پر سے تمھیں ہم سلام کرتے ہیں

لیکن یہ زمانہ اور تھا۔ اس وقت ہمارے شاعر کو حضور سرورِ کون و مکاںؐ کے دربار میں اس آبگینہ کی نذر گزراننے کا حسرت اندوز شرف حاصل نہ ہوا تھا جس کی نسبت وہ کہتا ہے:

جھلکتی ہے تری اُمّت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

آج اگر اس مقام سے گزرتا تو وہ مازنی کی اولاد و احفاد کے کارناموں کی یاد سے متاثر ہو کر شاید یوں کہتا ؎

جلے رہو وطنِ مازنی کے میدانو
کہ دُور ہی سے تمھیں ہم سلام کرتے ہیں

وہ سفینہ تیرے سینے پر نظر آیا مجھے — کھائے بیٹھا ہے جو دنیا کی تباہی پر اُدھار
سند بادِ خستہ کو لپٹا ہے پیرِ تسمہ پا — تیرے کندھے پر نہیں ہے مغربی بیڑا سوار

جس کی توپوں سے ہوئے ہیں شرقی ساحل تہے
مرگ ریزد مرگ بیزد مرگ زاؤ مرگ زار

کیا نہ لہرائے گا پھر تجھ پہ علَم اسلام کا — اور نہ وہ وقت آئے گا ہم کو ہے جس کا انتظار
کیا نہ ہو گا ہم میں خیر الدّین پھر پیدا کوئی — جس سے ہو گی سطوتِ کبریٰ کی عظمت آشکار
کیا نہ دیکھیں گی یہ آنکھیں تا بہ پہنائے اُفق — تیری پہنائی میں اُن جنگی جہازوں کی قطار
جن کے مستولوں کے اوپر اُڑ رہا ہو گا ہلال — با ہزاراں عزّ و تمکین و غرور و افتخار
جن میں ہو گی ذاتِ واحد کی عبادت صبح و شام — ہم سنیں گے جن سے پانچوں وقت اذانوں کی پکار

جن کی توپوں کی گرج سے کر رہے گی ایک دن
دشمنانِ ملّتِ بیضا سے بارج انتصار

دشتِ ہُو میں لائی ہے مجھ کو مری دیوانگی — ماسوا سے تو بھی ہو زیادہ جنوں سے بے قرار
جا کے اُس سے مل جو ہے سرچشمۂ عدل و سلام — سیکھ اُس سے حق رسی اور حق نوازی کا شعار
بیکسوں اور ناتوانوں سے نہ یوں آنکھیں چُرا — ساتھ دے اُن کا زمانہ ہے جنھیں ناسازگار
کھا چکی ہے تیری موجوں کے تھپیڑے مدّتوں — کشتئ بشکستۂ مسلم کو اب تو پار اُتار
کر تباہ اُن کو جو ہیں فرعونِ بے سامانِ وقت — حجتِ اَغرقنا کی پھر ظاہر ہو اُن پر ایک بار
خونِ مسلم جن کے مذہب نے کیا اُن پہ ہدر — جن کی منطق توپ ہے یا دار یا خنجر کی دھار
جھونک کر دنیا کی آنکھوں میں مسیحیت کی خاک — ہر طرف جو کر رہے ہیں دن دہاڑے لوٹ مار

ایسے صید افگنوں کو ہم کرتے ہیں تیرے ہی سپرد
آڑ میں تہذیب کی ٹٹی کے جو کھیلے شکار

پیرس ، جنوری سنہ ۱۹۱۳ء

لنڈن

لیلیٰ شب نے مانگ سنواری آدھی عمر اسی میں گزاری
بجتے ہیں پہلے بارہ ٹن ٹن پھر بجتا ہے گجر کا ارگن
چاند کی پیلی پیلی کرنیں پیاری چھیل چھبیلی کرنیں
سقفِ فلک پر ناچیں چھم چھم صحن زمیں پر اُتریں جھم جھم
دیتی ہیں تاروں کو جھکولے نور کے لٹکاتی ہیں ہنڈولے
پگھلی ہوئی چاندی کا سمندر بہنے لگا باہر اور اندر
جس نے ملمع اپنا چڑھایا اور پلٹی اُس شہر کی کایا
جو کہ ہے غداری میں بابل کہتے ہیں سب ملکوں کا جسے دل
یعنی عروسِ دنیا لنڈن
شاہدِ دلکش و زیبا لنڈن

قلعہ کوہ و دشت و بیاباں ہاموں، دریا، وادی، میداں
سب پہ تری آبادی پھیلی ہو نہیں سکتی جس کی گنتی
تیرے عرصۂ دل کے اوپر تیرے مجلۂ جاں کے اندر
کیسے کیسے جذبے ہیں پویاں
کیسے کیسے بھرے ہیں ارماں

اے دنیا کے شہروں کے افسر سب سے افضل سب سے بہتر
حشمت والے شوکت والے نشۂ دولت کے متوالے

صنعت اور تجارت والے　　دولت اور حکومت والے
دانش والے حکمت والے　　فلسفہ والے ہیئت والے
ہنڈیوں والے نوٹوں والے　　فائدوں والے ٹوٹوں والے
برجوں اور میناروں والے　　باغوں اور بہاروں والے
ہالوں والے پارکوں والے　　لائنوں والے بارکوں والے
ریلوں والے تاروں والے　　برقی موٹر کاروں والے
قصروں اور ایوانوں والے　　ہوٹلوں اور مہمانوں والے
وِسکی والے اکشا والے　　لیمنڈ والے سوڈا والے
مرغیوں والے انڈوں والے　　ریزنٹوں[1] اور آمنڈل[2] والے
توپوں اور بندوقوں والے　　عاشقوں اور معشوقوں والے
تنکے چننے والوں والے　　سر کے چھٹنے والوں والے
گورے گورے گالوں والے　　بھورے بھورے بالوں والے
پیاری پیاری جبینوں والے　　ابھرے ابھرے سینوں والے
چوری کرنے والوں والے　　جیب کترنے والوں والے
نقوں والے لچوں والے　　شہدوں اور اچکوں والے

کیسے کیسے گنہ اور بدیاں
ہیں ترے دل کے اندر پنہاں

دیکھنا ہو گر تم کو تماشا　　اچھی طرح سے کبھی لندن کا
واٹرلو کے پل سے دیکھو　　وقت یہ صبحِ صادق کا ہو
پہلی شعاعیں سورج کی جب　　چاک ہوں کرتی دامنِ شب

[1] کشمش [2] بادام

وہ دامن کہ ٹکے ہیں یکسر — جس میں کروڑوں کوکب واختر
گیسو جبکہ نگاہِ سحر کے — شبنم کے قطروں سے ہوں بھیگے
گذرو اس پل پر سے قضارا — دیکھو لندن کا نظّارا
سیر کا اصلی وقت یہی ہے — یہ وہ گھڑی ہے جس میں چھپی ہے
معنیِ عہدِ شبابِ لندن — ناز و ادا و حجابِ لندن
صبح کو ہے یہ عروس نکھرتی — ندی پر آکر پانی ہے بھرتی
جیسے کوئی دلبرِ خنداں — کرتا نقاب سے ہوا چہلیاں
ویسے ہی لندن نور کے تڑکے — اپنی جبینِ نور فشاں سے
بادل مست اور جھومنے والے — پیشانی کے چومنے والے
ایک طرف کو ادا سے ہٹا کر — ناز سے شرما کر اٹھلا کر

چہرہ کی تاب دکھا دیتا ہے
سورج جس کو جلا دیتا ہے

ایسے میں دیکھے کوئی لندن — اس کے قصر و بام و برزن
گرجا دیکھے مندر دیکھے — دریا دیکھے بندر دیکھے
دیکھے دریا کی موجوں کو — دیکھے بارکوں میں باجوں کو
کشتیوں کے مستولوں کو دیکھے — شاخوں پہ پھل اور پھولوں کو دیکھے
رونق دیکھے بازاروں کی — کثرت دیکھے نظّاروں کی
پھر وہ عبرت پر پھر کھینچے — اپنے تصوّر کے رنگوں سے
اگلوں کے آثار کا نقشہ — پچھلوں کے دربار کا نقشہ
منعم کے اقبال کی صورت — مفلس کے جنجال کی صورت

دل کی فراخی و تنگی دیکھے — جنت کی رنگا رنگی دیکھے
دیکھے غرض یہ سب تصویریں — شانِ خداوندی کی نظریں
لندن کا آغازِ عظمت — سُننی کب سے آئی ہے خلقت
اس نے ایک زمانہ دیکھا — صدیوں کا آنا جانا دیکھا
سیلِ حیات بہے جاتی ہے — اُمڈی موج چلی آتی ہے
صبح کو جب سُورج ہے نکلتا — نُور کا اک چشمہ ہے اُبلتا
دیکھو پھر وہی شکلِ مثالی — اور وہی فانوسِ خیالی
دل کی لگی سینہ میں دُکاں ہے — درد کا جس میں بھرا ساماں ہے
بیم و رجا و حسرت و ارماں — سازِ عیاں و سوزشِ پنہاں

ہے کہیں فقر کہیں ہے تنعّم
قسمت کا برپا ہے تلاطم

کُتّے سے پڑھو سبق وفا کا

اپنے ریوڑ کو ایک چرواہا — دامنِ کوہ میں چراتا تھا
کہ ہُوا ناگہاں بلند اک غُل — اُس نے کچھ دور ایک شور سُنا
لومڑی جیسے چیختی ہو کوئی — بھونکتا یا ہو جس طرح کتّا
رک کے کہسار میں گڈریے نے — آنکھ اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا
اور گھنی جھاڑیوں کے پتّوں میں — ایک کتّا اُسے نظر آیا
اس علاقے کے سارے کتّوں سے — نسل اس کی جُدا تھی ذات جُدا

ہر قدم پر ذرا سے کھڑکے سے — چونکتا تھا وہ اور جھکتا تھا

اس کی آواز سے بھی وضع سے بھی — درد اور اضطراب تھا پیدا

پیش و پس، راس و چپ فراز و زیر — متنفس نہ تھا کوئی اس جا

نہ سُنے کوئی گونج سیٹی کی — نہ کسی کے پکارنے کی صدا

ہوئی چمپاں کو تب تو حیرانی — کہ یہ کتا یہاں ہے کرتا کیا

غار تھا اک یہاں وسیع و فراخ — جس میں تخ موسمِ دسمبر کا

جمع رہتا تھا جون تک پیہم — گرمی آتی نہ تھی یہاں گویا

اس کے نیچے تھی جھیل اک گہری — اس کے اوپر تھا اک پہاڑ اونچا

جلِ ہیلوں سے بھول نہ بیچ — یہ خطرناک غار واقع تھا

نہ یہاں رہتی کوئی آبادی — نہ کہیں آدمی کا نقشِ پا

مچھلیاں جھیل پر یہاں لیکن — بھرتی تھیں گاہ گاہ فراٹا

کوے کرتے تھے کائیں کائیں بھی — اور اُسے ٹکرا اُٹھا دُہراتا

کبھی قوسِ قزح یہاں آئی — کبھی ابرِ سیہ یہاں چھایا

آ کے تانا یہاں کہر نے بھی — تیرہ و تار سائباں اپنا

کبھی خورشید کی شعاعوں نے — آ کے اپنا یہاں عَلَم گاڑا

لوٹ آتی تھی گونج کر آواز — ایسا صعب المرور تھا یہ درہ

دیکھی حالت یہ جب گڈریے نے — اُس کے دل میں معاً ہوا کھٹکا

جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے — ٹیلوں اور ٹیکروں کو طے کرتا

اس کراڑے پہ چڑھ گیا وہ جہاں — بھونکتا تھا کھڑا ہوا اک کتا

نہ گیا تھا ابھی زیادہ دُور — کہ پڑا اُس نے راہ میں پایا

لاشہ اک آدمی کا بوسیدہ — رہ گیا تھا فقط ڈھچر جس کا

دیکھ کر واقعہ یہ ہیبت ناک — خوف دل پر شبان کے چھایا

پیچھے اُوپر نگاہ دوڑا کر — اُس نے اپنا قیاس دوڑایا

کہ یہ کس آدمی کا لاشہ ہے — اور مرا کس طرح یہ بیچارا

سامنے پُر خطر چٹان تھی جو — اس سے یہ شخص تھا پھسل کے گرا

اب حقیقت کھلی گڈریے پر — اب وہ سارا یہ ماجرا سمجھا

یک بیک یاد آگیا اُس کو — اک مسافر کا نام اور پتا

جو کہ اس راہ سے فلاں روز — ایک کتّے کے ساتھ تھا گزرا

طرفہ اک ماجرا سنو لیکن — میں نے جس کے لئے یہ قصّہ لکھا

لوحِ جاں پر گر آبِ زر سے — یہ کھنچے نقش تو نہ ہو بے جا

ابھی تک بے قرار ہو ہو کر — تھا وہ کتّا کھڑا ہی بھونک رہا

ہو گئے تھے اُسے مہینے تین — رہتے رہتے یہاں صباح و مسا

یہی کہسار اُس کا مسکن تھا — یہی ویرانہ اُس کا تھا ملجا

اس میں کچھ شک نہ تھا کہ جس دن سے — گر کے یہ بدنصیب شخص مرا

سگِ اصحابِ کہف کے مانند — اس جگہ سے یہ باوفا کتّا

نہ ہلا ایک دم بھی اور کہیں — اس کے لاشہ کو چھوڑ کر نہ گیا

پہرہ دیتا رہا وہیں شب و روز — اپنے آقا کو جان کر سوتا

گر یہ پوچھو کہ اتنی مدت تک — اس بیاباں میں اس نے کیا کھایا

کیفیت اس کی مجھ کو کیا معلوم — جانے اس کی سرگذشت کو خُدا

جس نے اُلفت دلوں میں پیدا کی — جس نے کتّے کو کی وفا وہ عطا

کہ نہیں ممکن آدمی کے لئے
ہو سکے اس کے حق سے عہدہ برا

غریب الوطن شاعر کا خطاب اپنی بیوی سے جو وطن میں ہے

بزمِ دل میں جس کے روشن شمعِ یادِ یار ہو
ہے اُسے سب ایک ویرانہ ہو یا گلزار ہو

کس لقب سے یاد تجھ کو اے مری بی بی کروں
مونس و ہمدم کہوں دلبر کہوں جاناں کہوں

تیری عصمت کی قسم تیری محبت کی قسم
لوحِ دل پر ہے ترے احساں کا نقشہ مرتسم

غم کدہ میرا ترے ہونے سے عشرت خانہ ہے
تیری پیاری پیاری صورت زینتِ کاشانہ ہے

تو چراغِ منزلِ اُمید ہے میرے لئے
تو خدائے پاک کی تائید ہے میرے لئے

دیکھ کر دل میں تری تصویرِ روح آسا کو میں
بھول جاتا ہوں غمِ دنیا و مافیہا کو میں

ہے جھلک تیرے رُخِ انور کی اس میں جلوہ گر
جو دل آرا ہے ترا اور ہے مرا لختِ جگر

اس کی آنکھوں میں چمکتی ہے وہ نورانی کرن
تیری چشمِ نرگسیں جس کا بڑا ہے پالا وطن

یہ کرن ان بادلوں کو بھی ہے چمکائے ہوئے
تیری پیشانی پہ ہیں جو آج کل چھائے ہوئے

ولولہ اُلفت کا جب ہوتا ہے دل میں جوش زن
آدمی کے لب پہ آجاتا ہے نامِ طفل و زن

جس طرح اپریل کی گرمی میں مرجھاتے ہیں پھول
گرتے ہی شبنم کے لیکن تازہ ہو جاتے ہیں پھول

ویسے ہی وہ دل گیا غم نے جسے تاراج ہے
صبر کا، تسکین کا، اُمید کا محتاج ہے

رحمت اس کی رُوح پر جس کا ہے یہ قولِ مبیں
ہے صدائے بازگشت آوازِ ارواحِ بریں

ہے ندا جن کی جواب ان خاکیوں کی بات کا
جن سے تھا اُن کو تعلق اس جگہ دن رات کا

اے مری پیاری گراں ہے تجھ پہ گریہ خاک داں
اور ہے تجھ کو تمنائے حیاتِ جاوداں

اس سے پہلے جبکہ میرا طائرِ روحِ حزیں
اس قفس کو چھوڑ کر تجھ سے ملے آکر وہیں

میں یہی الفاظ دُہراتا رہوں گا بار بار
جانِ من جانانِ من سو دل سے ہوں تجھ پر نثار

تاکہ آ اوپر سے اٹھا دے تو نقابِ راز کو
اور تسکیں پاؤں میں سن کر تری آواز کو

مسز سروجنی نائیڈو کی ایک نظم کا ترجمہ

مولانا ظفر علی خاں کے قیامِ حیدرآباد دکن کے زمانہ میں عید سعید کی تقریب پر مسز سروجنی نائیڈو نے ایک نظم میر محبوب علی خاں کی خدمت میں پیش کی۔ یہ نظم انگریزی میں تھی۔ اس لیے مسز سروجنی نائیڈو نے اس نظم کے منظوم ترجمہ کے لئے مولانا ظفر علی خاں سے فرمائش کی۔ چنانچہ یہ ترجمہ اربابِ ذوق کی نذر کیا جاتا ہے :—

(۱)

اے خسروِ ذی شوکت و ذی حشمت و ذی فر — دُرہائے سخن سے ہے مکلّل ترا افسر
رہتے ہیں بہم مختلف اقوام و مذاہب — با عافیت و امن ترے عہد میں مل کر
لائی ہوں ترے واسطے اخلاص سے شاہا — میں تہنیتِ عید کا گلدستہ بنا کر
یہ ہدیۂ ناچیز پسند آئے جو شہ کو
پایہ ہو ثریا سے مری نظم کا برتر

(۲)

سب اپنی رعایا پہ نظر ہے تری یکساں — ہے ایک تجھے ہو وہ برہمن کہ مسلماں
تو اُمتِ احمدؐ کا ہے سرتاج، تو آقا — اُن کا ہے جو رکھتے ہیں جبیں قشقہ سے تاباں
سورج کے پجاری ہیں تری آنکھ کا تارا — جو چھوڑ کے آئے تھے یہاں ساحلِ ایراں
تو اُن کا خداوند ہے جو اُس کے ہیں بندے
جو بحر کی موجوں پہ ہوا رات کو پویاں

۵

(۳)

جب دیکھتے ہیں ہم ترے دربار کی شوکت — یاد آتی ہے بغداد کی گزری ہوئی عظمت
اک جشن میں تیرے نظر آئے وہ چراغاں — ہے جن سے الف لیلہ کے افسانوں کی زینت
دیتی ہے دُعا ساقیِ مستانہ ادا کو — ہر صبح و مسا پیتی ہے جب ذوق سے خلقت
وہ جام چھلکتا ہوا تیری غزلوں کا
آتی ہے نظر جس میں تصوّف کی حقیقت

(۴)

پُر رونق و آباد ترے شہر ہیں صدہا — جنگل میں ہے منگل کا دل آویز تماشا
جو مُلک ترے زیرِ نگیں آج ہے اُس میں — آثار پدید است صنادیدِ عجم را
معمور خزانے ہیں ترے اور ترے خرمن
اور اُن کے محافظ ترے خدّام ہیں شاہا

(۵)

شامل ترے شاہا کرم و فضلِ خُدا ہو — تُو حامیٔ حق ماحیٔ آئینِ جفا ہو
عفّت کی شجاعت کی فضیلت کی کرے قدر — تُو ناصرِ کیشِ شہِ لَولاکَ لَمَا ہو
فردوسیِ طوسی تھا جن اوصاف کا وصّاف — درجہ ترے اوصاف کا اُن سے بھی سوا ہو
اشعار ترے درج ہوں ضرب المثلوں میں
اور اسمِ مُبارک ترا اِک رُکنِ دُعا ہو

سلطان ٹیپو کے مزار پر دو آنسو

اے سرنگا پٹم! اے گنجِ شہیدانِ کرام — آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود

تیری آنکھوں میں ہے اپنوں کا عروج اور زوال — تُو نے دیکھا ہے پرایوں کا ہبوط اور صعود

کام میں لا نہ سکی تھی جسے خاکِ دہلی — تیرے ذروں نے بجھا دی وہ حجازی بارود

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا کچھ آج — مکر کا دام بچھاتا نہ اگر چرخِ کبود

سو رہا ہے تیرے پہلو میں وہ میسور کا شیر — مایۂ ناز تھا ملت کے لئے جس کا وجود

قوتِ بازوئے اسلام تھی اُس کی صولت — اُس کی دولت کے دعاگوؤں میں شامل تھے ہنود

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے — اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

اُس کے اُٹھتے ہی مسلمان کا گھر بیٹھ گیا — تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

آخری قول یہ اُس کا نہ ہمیں بھولے گا — جس سے قائم ہوئیں آئینِ حمیت کی حدود

شیر اچھا ہے جسے مہلتِ یک روزہ ملی — یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

دلِ حسرت زدہ میرا بھی گیا ساتھ جب آج — اُس کے مرقد پہ گئے یاس و تمنا کے وفود

پھر گئی آنکھ میں فردوسِ بریں کی تصویر — ظلِ ممدود میں تھا جلوۂ سدرِ مخضود

اس کی دہلیز سے لپٹی ہوئی تھی رحمتِ حق — چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملائک کے جنود

آئی گنبد سے ندا اے کہ تری پیشانی — رات دن درگہ دادار پہ ہے وقفِ سجود

بر سرِ تربتِ من چوں گذری ہمت خواہ
کہ زیارت گہہ رندانِ جہاں خواہد بود

میں نے کی عرض کہ اے فطرتِ آزاد کی رُوح — توڑنی جس نے سکھائی ہیں غلامی کی قیود

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

پھولوں کا تار بلبل کے نام

گجردم بلبلوں کے نام پھولوں کا یہ تار آیا — کہ رخصت ہو گئی فصلِ خزاں عہدِ بہار آیا
نسیم اٹکھیلیاں کرتی ہوئی گزری خیاباں سے — اور اس کے پیچھے پیچھے ابرِ مرواریدبار آیا
طیورِ صبح خواں کا نغمہ گونجا شاخساروں میں — وہ نغمہ جس کو سُن کے جانِ مضطر کو قرار آیا
زمیں پر آسماں کی رحمتیں اتریں صف اندر صف — خدا کے فضل کا لشکر قطار اندر قطار آیا
پرستارانِ خاکِ کعبہ کی قسمت چمک اُٹھی — نئی تقدیر کے سانچے میں ڈھل کر روزگار آیا
جہاں کا نقشہ بدلا مصطفےٰ کی ترکتازی نے — عرب کے صدرِ اوّل کا جنوں بروئے کار آیا
بقدرِ منزلت بخشی گئی آزار کی لذت — مسلمانوں کے حصّے میں دو عالم کا فشار آیا
مری مشکل کو دُنیا میں نہ آساں کر سکا کوئی — مصیبت میں جو کام آیا مرا پروردگار آیا
نہ کیوں رہ رہ کے جبریلِ امیں چومے زباں میری — کہ محبوبِ خُدا کا نام اس پر بار بار آیا

وہ اُمّی جس نے امت کو حیاتِ سرمدی بخشی
وہ پیغمبرؐ جو ہو کر شافعِ روزِ شمار آیا

نویدِ بہار

یہ مژدہ سُنایا ہے مُرغِ سحر نے — کہ طرفِ چمن سے خزاں جا رہی ہے
ہجومِ گل و لالہ و یاسمن میں — خراماں خراماں بہار آ رہی ہے
ہری ہو رہی ہیں درختوں کی شاخیں — نظر شانِ پروردگار آ رہی ہے
گہرہائے غلطاں کا آویزۂ شبنم — بناگوشِ سنبل میں لٹکا رہی ہے
جگایا ہے سبزہ کو موجِ صبا نے — نسیم آ کے لالہ کو مہکا رہی ہے

شہِ خاوراں کی شعاعِ زرافشاں — زمیں پر نیا نُور پھیلا رہی ہے
نئی فصل کی کہربائی حرارت — رگوں میں نیا خُون دوڑا رہی ہے
ہوائیں نشیلی فضائیں رنگیلی — بہار اپنی تصویر کھنچوا رہی ہے
ہُوا ختم پرہیزگاری کا موسم — یہ مستیوں کی گھٹا چھا رہی ہے
تہی کیسہ رندوں کے بے مایہ گھر میں
شراب آ رہی اور اُدھار آ رہی ہے

(۲)

جواں ہو رہا ہے جنوں ایشیا کا — یہ آندھی جو اُٹھی ہے بولا رہی ہے
مسلماں کے بازو کی دیرینہ قوّت — زمانہ کا نقشہ بدلوا رہی ہے
عجم کی اُمنگوں میں شرکت عرب کی — نئی زندگی کی خبر لا رہی ہے
رہِ حق میں سر بیچنے کی تمنّا — ہر اک مردِ مومن کو تڑپا رہی ہے
اتاترک کی صولتِ ضیغم افگن — صلیبی حریفوں کو لرزا رہی ہے
خدا کی ستم کش نوازی کی عادت — ستمگر کی گردن کو نیوہرا رہی ہے
پیمبر کی رحمت دو عالم پہ چھا کر — پرایوں اور اپنوں کا غم کھا رہی ہے
بہار آفریں ہے یہ نظمِ مُرصّع
جسے ساری خلقِ خُدا گا رہی ہے

۱۱/مارچ ۱۹۳۶ء

وادیٔ جہلم

گاتے ہوئے یہ نغمہ دو میلی سے چلے ہم　　اسلام سے ہے گرمیٔ ہنگامۂ عالم
ہرگز نہ جھکے گا کبھی توحید کا پرچم　　گا تو بھی یہی زمزمہ اور ہو یہی سرگم

اے وادیٔ جہلم

میداں ترے شاداب سمن بو ترے ٹیلے　　چشمے ترے شفّاف چمن تیرے رنگیلے
کھیتی تری سرسبز ثمر تیرے رسیلے　　رونق ترے باغوں کی خزاں کر نہ سکی کم

اے وادیٔ جہلم

انساں ہیں تہمتن تو سرشت ان کی وفاخیز　　توسن ہیں اگر تیز تو برق ان کی ہے مہمیز
قابض تری اس صولت و سطوت پہ ہیں انگریز　　یہ صولت و سطوت ہے تو انگریز کو کیا غم

اے وادیٔ جہلم

یونان کے ہنگامہ کو غزنی کے شغب کو　　محمود کے غصّہ کو سکندر کے غضب کو
موجیں تری ندّی کی بہا لے گئیں سب کو　　اب کس کی تباہی کے ارادے ہیں مصمّم

اے وادیٔ جہلم

۳۰/مارچ ۱۹۳۴ء

سیرِ کہسار

گزاری میں نے تابستاں کی فرصت کوہساروں میں
دل افروز آبشاروں میں دل آرا مرغزاروں میں

ہم آغوشِ صبا تھی نکہتِ گُل کی سیہ مستی
جنوں پرور تھے نغمے طائروں کے شاخساروں میں
کھچی تھی سامنے زنجیر سرجیون پہاڑوں کی
فلک تھا بوسہ افشاں جن کی برفیلی قطاروں میں
نسیم آئی فضائے خُلد سے اور بے حجاب آئی
کرن سُورج کی ناچی ہو کے عُریاں جوئباروں میں
منازل ارتقا کی کر رہے تھے ٹہنیوں پر طے
جنابِ ڈارون کے جدِّ امجد دیوداروں میں

۲۲ر جولائی سنہ ۱۹۲۲ء

غزل

جتا رہے ہیں وہ مجھ پہ اُلفت رقیب کو فیض یاب کرکے
میں اُن کی محفل سے اُٹھ تو آیا مگر انھیں لاجواب کرکے
جھلک رہی ہے جو رُخ پہ سُرخی عرق سے تر ہے جبینِ انور
چمن سے شاید وہ آرہے ہیں گلاب کو آب آب کرکے
شراب چھوڑی ہے آپ نے گر تو کونسا ہے کمال اس میں
مزہ تو جب ہے کہ لعلِ لب سے دکھائیے اجتناب کرکے
جلے ہُوئے دل سے بھی ابھی تک وفا کی بُو اُن کو آرہی ہے
خُدا سے مانگا اُنھوں نے مجھ کو اسی لئے انتخاب کرکے
وجود کا اور عدم کا جھگڑا عجب نہیں ہے کہ میں چکا دوں
دیا گیا گر عذاب مجھ کو مرے گنہ کا حساب کرکے

جلے ہوؤں کو جلا رہے ہیں مٹے ہوؤں کو مٹا رہے ہیں
ہوا سے مل کر اُڑا رہے ہیں وہ میری مٹی خراب کر کے

قلم میں گُل ریزیاں کہاں اب بہار پر چھا گئی خزاں اب
بصد تصنّع بُلا رہا ہُوں شباب کو میں خضاب کر کے

شراب پیتا ہوں میں بھی لیکن نشے میں تُرشی ملی ہُوئی ہے
پیالہ بھیجا ہے محتسب نے مگر ذرا احتساب کر کے

پھری جو دیکھی ہے آنکھ اُن کی زمانہ تیور بدل رہا ہے
جما دیا رنگ آسماں کا اُنھوں نے مجھ پر عتاب کر کے

مدینہ کے بام و در سے ہم کو نظر چمکتا ہُوا پھر آیا
وہ نُور جس نے دکھا دیا ذرّہ ذرّہ کو آفتاب کر کے

۱۰ر نومبر ۱۹۱۷ء

غزل

اُڑے بارود کے مانند خود اور لے اُڑے مجھ کو
مرا پیمانہ ساقی اُس شرابِ تیز سے بھر دے

نہ اس سے ڈر کہ ہو گا دوسرا ساغر خمار آور
اسے اک اور صہبائے جنوں انگیز سے بھر دے

ابھی چھلکا نہیں ہے اور بھی دو چار گھونٹ آئیں
خمستاں میں مری دولت کا خم انگریز سے بھر دے

اگر خم خانہ خالی ہو چکا ہے مَے سے غالبؔ کا
تو اُٹھ اور ایک کنٹر ٹینی سن کی میز سے بھر دے

اُٹھانا ہے رُخِ دلدار سے پردہ اگر تجھ کو
سلونی لا کے کچھ شیراز اور تبریز سے بھر دے

بلا کر بادۂ رنگیں مرے سُونے شبستاں کو
پری رویان شوخ و شنگ و بے پرہیز سے بھر دے

دلوں پہ سحرِ چشمِ نرگسیں کے ڈال کر ڈورے
مشامِ جاں کسی کی زُلفِ عنبر بیز سے بھر دے

اگر کرنی ہو گلچینی گلستانِ معانی کی
تو دامانِ خیال اس خامۂ گل ریز سے بھر دے

حقائق

دل ہے پہلو میں تو پیدا شیوۂ ترکانہ کر
جورِ ہفت افلاک کے ہوتے رہیں پروا نہ کر
غم کو خود آ کر بہالے جائے گی موجِ سرور
دیکھتا کیا ہے اُٹھ اور فکرِ مے و پیمانہ کر
دعویٔ الفت جتا کر مفت میں رسوا نہ ہو
دار پر چڑھنے سے پہلے رازِ عشق افشا نہ کر
ظرفِ نیساں چاہتی ہے قلزم آشامی تری
برگِ گُل کی طرح شبنم کے لئے ترسا نہ کر
کام ابراہیموں کا ہے کہ کھیلیں آگ سے
کُود پڑ شعلوں میں خوفِ انجام کا اصلا نہ کر
لے کے نام اللہ کا طوفاں میں کشتی ڈال دے
خوفِ بے پایانیٔ دریائے موج افزا نہ کر
خود عمل ہوتا ہے صورت گر تری تقدیر کا
شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر
سایۂ شمشیر میں پوشیدہ جنت ہے مگر
ناکسوں کے سامنے اس بھید کا چرچا نہ کر

محفلِ نشاط

جب تک جلا نہ دے تفِ سوزِ دروں مجھے
ممکن نہیں، کہ آئے قرار و سکوں مجھے

ساقی سے بے نیاز ہیں سرمستیاں مری
خونِ جگر ہے کیفِ مےَ لالہ گوں مجھے

فضلِ خدا فراخورِ فطرت ہے اے حکیم
دی تجھ کو حق نے عقل تو بخشا جنوں مجھے

میرا یہ جرم ہے کہ ہوں نازک مشام کیوں
خاکِ حرم سے آئی ہے کیوں بوئے خوں مجھے

اک محفلِ نشاط ہے قیدِ فرنگ بھی
ازبسکہ ہے صریرِ قلم ارغنوں مجھے

محبّت کی راہ

محبت کی گلی میں سر کے بل جانا بھی ہوتا ہے
صنم کی آستاں پر سر کا ٹکرانا بھی ہوتا ہے

جگر میں ٹیس کا رہ رہ کے اُٹھنا شرط ہے اِس کی
تڑپنا بھی یہاں ہوتا ہے تڑپانا بھی ہوتا ہے

مقدّر عشق بازی کا ہے جھڑکی یار کی سہنا
اور اس پہ مدّعی کی گالیاں کھانا بھی ہوتا ہے

چشمِ جاناں

ملاحسن نے غازہ مشّاطہ بن کر

ضیا اور شفق کا عذارِ سحر پر

بُناگوشِ سنبل میں شبنم کا قطرہ

لٹکتا ہے یوں جیسے موتی کا زیور

بھرا ہے لبالب مئے ارغواں سے

ایاغِ گُلِ نازکِ لالۂ تر

معطّر مشام رواں ہو رہا ہے

بسی ہے ہوا مشک میں بس کہ یکسر

فسوں سازی و سحر بازی میں ہوں گے

کبھی چشمِ جاناں کے ہمتا و ہمسر

ہے چشمِ صنم مظہرِ شانِ ایزد

نیازؔ اس کا مرکز ہے نازاں مقدّر

۱۰ر اگست ۱۹۱۵ء

غزل

مرے سرو کا گلستاں اور ہے

مرے چاند کا آسماں اور ہے

سُناتے ہیں قصّے محبت کے لوگ
مرے عشق کی داستاں اور ہے

وہ ابرو پئے صیدِ دل ہر گھڑی
لیے ہاتھ میں اک کماں اور ہے

ہر اک نوک تیرے پلک کی صنم
پئے قصدِ جاں اک سناں اور ہے

زباں کام دے گی نہ زاہد تری
بیاں عشق کا ہے زباں اور ہے

جگر دوز ہے تیرِ غمازی مگر
خدنگِ مژہ کی کماں اور ہے

ہر اک تن میں ہے جان سے زندگی
میں زندہ ہوں پر میری جاں اور ہے

غزل

وہ کافر آج دل کا لینے کو امتحاں ہے
تنتے ہوئے ہیں ابرو چڑھتی ہوئی کماں ہے

کس کام کی وہ اُلفت جو جاں کا خوں نچوڑے
ہم تو ہیں اس کے قائل ہے جان تو جہاں ہے

اس نازنیں کے دل پر نالے کا کب اثر ہو
بامِ وصال اُونچی اور پست نردباں ہے

میرے جلے ہوئے دل کی لو ہے بالائے بھی
بجلی گری ہے جس پہ میرا ہی آشیاں ہے

ہے میرے درد و سودا کا ایک یہ کرشمہ
لوگوں نے جس کو سمجھا بھولے سے آسماں ہے

مجھ کو کسی طرح کی اس سے نہیں شکایت
آنکھوں میں وہ نہاں ہے دل میں مگر عیاں ہے

دیکھو تو شوخ چشمی یارِ عدو نے آ کر
میرے ہی دل میں ڈھونڈا اُس شوخ کا نشاں ہے

داغِ جگر کے لالے لہکیں گے عمر بھر تک
میری بہار وہ ہے جس کی نہیں خزاں ہے

غزل

بڑھا ہے آگے کو روزِ روشن ہٹی ہے پیچھے کو رات کالی
بجھ گیا آسماں کا میلہ ہوئی تاروں سے بزم خالی

ہنسا کے بجلی کو ابرِ رویا جگا کے سورج کو چاند سویا
یہ نقشِ ہستی ہے اعتباری کہیں جلالی کہیں جمالی

کسی کی چلتی نہیں یہاں کچھ پکار رہے سب ہیں ما عرفنا
وہ فخرِ رازی ہوں یا فلاطوں، جلالِ رومی ہوں یا غزالی

کیا ہے ایک دل دیگر نے نئے نئے گل لگے ہیں کھلنے
کسی نے برقع اتار پھینکا کسی نے چلمن ہی توڑ ڈالی

جُدا ہے مقسوم اپنا اپنا الگ ہے تقدیر اپنی اپنی
دیا ہے اُس شوخِ دل ستاں نے کسی کو بوسہ کسی کو گالی
عطا کیا لمع نکتہ اُس نے مرے قلم کو سخنوری میں
خیال انوکھا بیاں اچھوتا زمیں نئی اور روش نرالی

غزل

تجھے فکر کیوں ہے اے دل کہ یہ شب بسر بھی ہو گی
ہے ابھی اگر اندھیرا تو کبھی سحر بھی ہو گی
ہے اثر دوا میں پنہاں مگر اس کے ساتھ تجھ کو
اگر اعتقاد ہو گا تو وہ زود اثر بھی ہو گی
یہ سوادِ آفرینش ہے بقدرِ نورِ بینش
تری آنکھ اگر کھُلے گی تو جہاں نگر بھی ہو گی
ہو بپا کہیں بھی طوفاں وہ یہی گماں کریں گے
کہ ضرور اس میں شامل مری چشمِ تر بھی ہو گی
ہے پھر ابرہہ کی کوشش کہ بنائے کعبہ ڈھائے
مگر اس میں ہم کو شک ہے کہ مہم یہ سر بھی ہو گی
اگر آج ہم پہ ٹوٹی شبِ غم پہاڑ بن کر
تو یہ رات یونہی بھاری کبھی آپ پر بھی ہو گی
عرب اور عجم کے ذرّے ہوئے آفتاب جس سے
کسی روز دیکھ لینا وہ نظر اِدھر بھی ہو گی

کتابخانه احمد هارون موسی

)301